عالمانہ ناصحانہ دلائل ومسائل سے مزین آسان اور عام فہم زبان میں خطبات کا خزینہ

خطباتِ رحیمی

﴿جلد چہارم﴾

شیخ طریقت حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی ایم ڈی چرتھاولی حفظہ اللہ

خلیفہ ومجاز حضرت حاذق الامت پرنامبٹ (خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت جلال آبادی) بانی ومہتمم دارالعلوم محمدیہ وخانقاہ رحیمی بنگلور

مرتب

ڈاکٹر محمد فاروق اعظم حبان قاسمی

نائب مہتمم دارالعلوم محمدیہ بنگلور

ناشر

مکتبہ طیبہ نزد سفید مسجد، دیوبند، سہارنپور-247554 (یوپی)

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	:	خطباتِ رحیمی (جلد چہارم) جدید ایڈیشن
خطبات	:	حبیب الامت حضرت مولانا ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی حفظہ اللہ
مرتب	:	ڈاکٹر فاروق اعظم حبان قاسمی
سن اشاعت	:	۲۰۰۹ء، ۲۰۱۲ء
کتابت وتزئین	:	مولانا عبید الرحمٰن قاسمی حبان گرافکس بنگلور
تعداد	:	ڈھائی ہزار
قیمت	:	
ناشر	:	مکتبہ طیبہ نزد سفید مسجد، دیوبند، سہارنپور-247554 (یوپی)

﴿مرتب کا مکمل پتہ﴾

RAHEEMI SHIFA KHANA

#248, 6th Cross, Gangondanahalli Main Road,
Nayandhalli Post, Maysore Road
BANGALORE - 560039 (INDIA)

Ph.: 080-23180000, 23397836/72
www.raheemishifakhana.com
E-mail.: raheemishifakhana@yahoo.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
1	انتساب	11
2	تقریظ	13
3	حروفِ حبانی	15
4	با ایمان زندگی اور خدائی مدد	16
	ایک غلط فہمی کا ازالہ	18
	اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق کون؟	19
	ایمان اور اعمال صالحہ اصل ہیں	20
	صبر کی توفیق بھی اللہ کی مدد سے ملتی ہے	21
	حق پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے	22
	اہل ایمان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ	23
5	نماز میں حضور ﷺ پر سلام رحمت و برکات	25
	سرورِ کونین ﷺ پر درود و سلام	22

	اطاعت رسول ﷺ	28
	تجدید ایمان	29
	اطاعتِ اُولی الامر	29
	عظمت صحابہؓ	31
6	جزا و سزا کا قرآنی تصور	34
	قرآن کا تصور عمل	35
	جزا و سزا کا قرآنی تصور	36
	ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا	37
	جو دنیا چاہے اسے دنیا ملے	37
	اللہ تعالیٰ عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا	39
	نیکی کا اجر دنیا و آخرت دونوں جگہ ہے	39
	نیکی کا مکرر اجر ہے	40
	نیکی کا بے حساب اجر ہے	41
	سزا کا قرآنی تصور	41
	نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی	42
7	دنیا میں عذاب	44
	عذاب سے تحفظ نہیں	46
	اگر مقررہ وقت نہ ہو تو عذاب آجائے	47
	مہلت ازیاد گناہ کے لئے ہے	48
	خوشحالی بھی عذاب کی ایک صورت بن سکتی ہے	49
	آخرت کا عذاب	49
	وہاں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا	50

	آخرت میں عذاب کی نوعیت	51
	عذابِ جہنم کی چند اور شکلیں	52
	عذابِ مسلسل	53
8	نصرت الٰہی	54
	اللہ تعالیٰ کی مدد کی مثال	56
	حجاج بن یوسف کا خط	57
	حضرت عمر فاروقؓ کا خط	58
	اخلاص میں کمی پر تنبیہ	58
9	شہید کس کو کہتے ہیں	61
	مقتول فی سبیل اللہ	62
	شہید کی تعریف	63
	شہید ہونے کی دعا کرے	64
	شہادت رسول ﷺ کی صفت ہے	64
10	اسلامی نظریہ	67
	مساوات اسلام کا بنیادی پتھر ہے	68
	اسلامی قانونِ وراثت	70
	قانون وصیت	70
	امداد باہمی کا قانون	71
	امداد اور ہمدردی اعلیٰ درجہ کی نیکی	72
	سود کی حرمت کا فلسفہ	73
	مشترکہ سرمائے کو ترجیح	74
	حقیقی امن کی بنیاد	75

	اشتراکیت کے نقصانات	75
11	اولاد کے حقوق	78
	زندگی	79
	اذان دی جائے اور تحنیک کی جائے	81
	عقیقہ کیا جائے، سر کے بال مونڈے جائیں اور اچھا نام رکھا جائے	82
	کفالت	83
	حسنِ تربیت	84
	تعلیم	85
	شفقت و محبت اور مساوات کا برتاؤ	85
	شادی	86
12	ڈاڑھی مرد کے لئے ضروری	88
	حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاری سے شکایت	90
	یونیفارم مخصوص ہے	91
	ہر قوم کا ایک امتیازی نشان ہے	91
	ہر ملک کا اپنا الگ لباس ہے	92
	سکھوں کا یونیفارم	93
	مختلف قوموں کی تہذیبیں	94
	ہندوستان کی زبان سنسکرت	95
	خصوصی وضع قطع ضروری	95
	ڈاڑھی مسلمان کا یونیفارم	96
	مقربانِ خدا کا یونیفارم	97
	دشمنوں کے کلچر سے پرہیز	98

13	**اساتذۂ کرام کا ادب**	100
	بادشاہوں کے ہاں بھی استاذ کا اکرام تھا	102
	شاگرد کی اصلاح کا طریقہ	102
	ہارون رشید کو خلافت کی خوشخبری	103
	لائق شاگرد کی عظیم سمجھ بوجھ	104
	امین الرشید کی تخت نشینی	105
	مامون الرشید کی خدا ترسی	106
	مامون کی شجاعت اور اسلام کی تبلیغ	106
	مامون کا انصاف	107
	مامون ماہر فن	108
14	**آج مسلمان بےعمل، اسلام پُرکشش**	109
	پوری فیملی نے اسلام قبول کرلیا	110
	مغربی دنیا میں تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے	111
	حیرت انگیز اعداد وشمار	112
	فرانس کی وزارتِ داخلہ کی رپورٹ	113
	جرمن کے اخبار کی رپورٹ	113
	مغرب کے چند نومسلم	114
	زندگی کا اصل رہبر اسلام ہے	114
	اسلام کھلاڑیوں کے دلوں کو بھی جیت رہا ہے	115
	اسلام امن اور محبت کا علمبردار ہے	116
	اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کررہا ہے	117
15	**نعمتِ خداوندی**	118

	حضرت حاذق الامتؒ کا ارشاد	120
	اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے	121
	نعمتوں کا استحضار	122
	اللہ تعالیٰ نے بےشمار نعمتیں بن مانگے دی ہیں	122
	آج ہمارے پاس کونسی صلاحیت نہیں؟	124
	اللہ تعالیٰ سے محبت	125
	اللہ تعالیٰ کی عظمت	126
	آقا نے غلام سے بندگی سیکھی	126
16	**امانت داری اور رزق حلال**	131
	حضور ﷺ کے بعد جبرئیل کا دنیا میں آنا	132
	آج نمازی صرف آٹھ فی صد ہیں	133
	مسلمان دنیا کا قائد تھا	134
	امانت داری کی مثالیں	135
	طہارت کے متعلق عظیم مثال	137
	جو امانت دار نہیں وہ مسلمان نہیں	137
	حضرت تھانویؒ کا اہم واقعہ	138
	ایک متقی عورت کا واقعہ	139
	دوسری متقی عورت کی ایمانداری	141
	آج دیانت داری کا فقدان	142
17	**اتباعِ رسول اکرم ﷺ**	144
	مولانا جلال الدین رومیؒ کا علم	145
	امام غزالیؒ کا دلچسپ واقعہ	146

	اسرائیل کا ظلم وستم	147
	ذلت وخواری کے اسباب	148
	آج منہ دیکھ کر سلام کا رواج بن گیا	150
	صحابہؓ میں سلام کا رواج کیسا تھا	151
	ایک اہم سنت پر عمل کا فائدہ	152
	دارالعلوم دیوبند کے استاد کا واقعہ	153
	لوگوں پر رحم کرنا سکھایا	154
18	**محسنِ کائنات ﷺ کے اخلاق حسنہ معاشرت کے آئینہ میں**	156
	آپ ﷺ بڑے شفیق اور مہربان تھے	158
	حضور ﷺ کی سخاوت اور عفو ودرگذر کی انتہا	159
	آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے	160
	آپ ﷺ گھر میں ایک معمولی آدمی کی طرح رہتے	160
	آپ ﷺ سب سے زیادہ باحیا تھے	161
	آپ ﷺ معاشرہ میں گھل مل کر وقت گذارتے	162
	حضور ﷺ اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے	162
	میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں	164
	ایک یہودی کا آپ ﷺ سے برتاؤ	164
	فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کا ایثار اور کرم	165
19	**محمد ﷺ کی غلامی باشاہی سے بھی افضل ہے**	168
	حضرت زیدؓ کیسے غلام بن گئے	169
	سیدہ خدیجہؓ نے زید کو چن لیا	170
	زیدؓ کے والدین کے بہتے آنسو	170

زیدؓ کے والد اور چچا حضور ﷺ کے دربار میں	172
حضور ﷺ نے زیدؓ کو اختیار دے دیا	173
زیدؓ کو حضور ﷺ نے اپنا بیٹا بنا لیا	173
زیدؓ کو خود اپنی خوش نصیبی کا علم نہ تھا	174

☆☆☆

خطباتِ رحیمی کی چوتھی جلد کا

انتساب

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم، اَمَّا بَعْدُ!

حضرت حبیب الامت عمت فیوضہم کے استاذ محترم حضرت قاری عبدالقدوس صاحب سہارنپوریؒ جو دونوں پاؤں سے معذور تھے، لیکن طلباء کو علم دین سے سیراب کرنے کا جذبہ رکھتے تھے، جن سے والد محترم نے تجوید وقرأت کی تعلیم حاصل کی، جن کی سحر انگیز آواز مدرسہ کاشف العلوم کی جامع مسجد چرتھاول کے ممبر ومحراب اور میناروں سے نصف صدی تک گونجتی رہی۔ جنہوں نے قناعت پسندی سے زندگی بسر کی اور آخر تک ایک ہی ادارہ سے وابستہ رہے اور اپنی متاع زیست کو قرآن کی خدمت پر قربان کر دیا۔

مدرسہ کاشف العلوم چرتھاول کے ایک بزرگ استاذ حضرت حافظ قاری منشی عبد الوحید صاحب چرتھاولی مدظلہ العالی جو کوہ استقامت ہیں روز اول سے ابھی تک

قرآن کی خدمت میں مصروف ہیں، مجھ جیسے حقیر وفقیر ہزاروں کی تعداد میں ان کے شاگرد ہیں، لیکن آپ سب سے بے نیاز ہمہ وقت ذکر اللہ میں رطب اللسان رہتے ہیں، حضرت حبیب الامت نے ان سے قرآن مجید کی تعلیم حاصل کی۔

دنیا سے بے نیاز بلکہ یوں کہئے دنیا سے بیزار شخصیت جنہوں نے کبھی دنیا کو نظر بھر کر نہیں دیکھا اور ہمیشہ سادگی کا پیکر بنے رہے، ہزاروں کی تعداد میں شاگرد بنائے، پچاس سال سے زائد عرصہ تک بچوں کو تعلیم دے کر اس دنیا سے رخصت ہوئے کہ ہر اپنا پرایا ان کی زندگی پر شک کرتا نظر آیا کئی بزرگوں کا گمان ہے ان کا صاحب خدمت اور ابدال میں شمار تھا، میری مراد ہے حافظ سعید احمد چرتھاولی رحمۃ اللہ علیہ مدرس کاشف العلوم چرتھاول جنہوں نے بڑی شفقت سے حبیب الامت کی بسم اللہ خوانی کرائی اور بغدادی قاعدہ پڑھایا، گویا حبیب الامت کی تعمیری زندگی کی آپ خشتِ اول ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کے درجات کو بلند فرمائے۔ اور ان کی قبروں پر نور کی بارش برسائے اور تمام تلامذہ کی جانب سے ان کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

خادم

محمد فاروق اعظم حبان قاسمی

نائب مہتمم دار العلوم محمدیہ، وخانقاہِ رحیمی بنگلور

تقریظ

خطیب العصر حضرت مولانا ظہیر احمد انصاری قاسمی صاحب دامت برکاتہم
سافٹ ویئر انجینئر (تسمیہ انفارمیشن ٹیکنالوجی سولوشن بنگلور) وخطیب مسجد القدر بنگلور

حَامِدًا وَمُصَلِّياً وَمُسَلِماً . اَمَّا بَعْدُ!

اللہ جل شانہ نے انبیاء کرامؑ کو اپنے احکامات کی تبلیغ واشاعت کے لئے مختلف قوموں کی طرف مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے آکر اپنی اپنی ذمہ داری نبھائی، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ورسالت سے سرفراز فرما کر فرعون کے پاس جانے کا حکم فرمایا تو موسیٰ نے ایک عذر پیش کیا اور عرض کیا کہ پروردگار! میری زبان میں لکنت ہے میں فصیح وبلیغ انداز میں فرعون اور قبطی قوم سے بات چیت نہیں کرسکتا۔ اس لئے میرے ساتھ ہارون کو بھی نبوت سے سرفراز فرما کر میرے ساتھ بھیج دیں تاکہ وہ کھل کر بات چیت کرسکیں اور مجھے سپورٹ بھی حاصل ہو، اس سے معلوم ہوا کہ تبلیغ واشاعت کے لئے مبلغ کا فصیح وبلیغ انداز میں بات کرنا اور عوام کو اچھی طرح اپنی بات سمجھانے کا ملکہ ہونا ضروری ہے۔ ظاہر ہے ہر شخص میں یہ صلاحیت موجود نہیں ہوتی، جس طرح بعض حضرات بڑی اچھی صلاحیتوں کے حامل ہوتے ہیں مگر جب وہ

مسند تدریس پر فائز کئے جاتے ہیں تو وہ طلبہ کو مطمئن نہیں کر پاتے۔ اسی طرح بعض حضرات درس وتدریس پر ملکہ رکھتے ہیں مگر جب ان کو اسٹیج پر تقریر یا وعظ کہنے کے لئے مدعو کیا جاتا ہے تو وہ اپنا دامن سمیٹتے ہوئے معذرت فرمادیتے ہیں۔

چند لوگوں کو اللہ جل شانہ تدریس وتصنیف اور تبلیغ کا ملکہ اور صلاحیت ودیعت فرماتے ہیں انہیں میں سے حبیب الامت حضرت مولانا حکیم ڈاکٹر محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاؤلی مدظلہ مدیر دارالعلوم محمدیہ بنگلور اور صدر آل انڈیا انجمن مدارس کرناٹک ہیں کہ جن کی علمی صلاحیت کا لوہا بنگلور اور اطراف بنگلور نے تسلیم کیا ہے، مولانا موصوف کی خطبات رحیمی کے نام سے تین جلدیں منظر عام پر آئیں جو عوام وخواص میں بے حد مقبول ہوئیں، اب یہ چوتھی جلد آپ کے ہاتھ میں ہے، کتاب کی مقبولیت کا راز نہایت آسان اور صاف زبان میں مواد کا حصول ہے، قرآن وحدیث کو مآخذ بنا کر خطبات رحیمی کو مرتب کیا گیا ہے، تقریری انداز میں ”لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ“ کے تحت مفید اور کارآمد بزرگان دین کے واقعات بھی جا بجا بیان کئے گئے ہیں، خطبات رحیمی حضرت موصوف کے ریکارڈ شدہ بیانات کا مجموعہ ہے تاہم اس کے مواد کو دیکھتے ہوئے یہ کہنا بجا نہیں کہ یہ ایک مستقل تصنیف کے مثل ہے، جس کو عزیز القدر ڈاکٹر محمد فاروق اعظم حبان قاسمی نے مرتب کئے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ جل شانہ موصوف کو اس کا اجر جزیل عطا فرمائے اور دیگر تصنیفات کی طرح عوام وخواص کے لئے اس کو نافع بنائے اور مؤلف کے لئے ذریعۂ آخرت بنائے، آمین یارب العالمین!

(حضرت مولانا) ظہیر احمد انصاری قاسمی

حروفِ حبانی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، اَمَّا بَعْدُ!

یہ میرے لئے اور مجھ سے زیادہ میری دوستوں اور محسنین کے لئے خوشی کی بات ہے کہ ''خطبات رحیمی'' کی چوتھی جلد منظر عام پر آرہی ہے، یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی توفیق اور مرضی سے ہوا ہے اس فقیر کواپنی بے عملی اور غفلت پر ہمیشہ افسوس رہا ہے اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہے ک الٰہی اپنے اور حضور سرور کائنات ﷺ کے فرمان اور تعلیمات پر عمل کی توفیق عطا فرما اور اس پر استقامت نصیب فرما!

میں اس سے پہلے بھی عرض کر چکا ہو کہ خطبات رحیمی کی اشاعت میں میرے دوستوں اور بہی خواہوں کی مساعئ جمیلہ شامل ہے، خصوصاً حضرت مولانا مفتی ارشد جمیل رشیدی صدر المدرسین دارالعلوم محمدیہ بنگلور، ڈاکٹر محمد فاروق اعظم حبان قاسمی اور عزیزم مولانا حکیم محمد عثمان حبان دلدار قاسمی زید قدرہم کی خصوصی دلچسپی سے یہ کام ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان حضرات کو جزائے خیر عطا فرمائے، نماز جمعہ سے قبل بندہ جو بھی خطاب کرتا ہے یہ حضرات اس کو ٹیپ کر کے محفوظ کر لیتے ہیں اور پھر نقل کرتے ہیں میں نے ان خطبات کو پڑھا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھ ناکارہ کو اور جو حضرات ان خطبات سے اسفتادہ کریں ان کو بھی عمل کی توفیق سے نوازے، مرتب وقارئین کرام کے لئے نافع بنا کر ذخیرۂ آخرت بنائے آمین ۔

خاکپائے حضرت حاذق الامت

محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاؤلی

مدیر دارالعلوم محمدیہ وخانقاہ رحیمی بنگلور

باایمان زندگی اور خدائی مدد

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ''وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلَا تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلَا تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقُوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ'' ۝ وَقَالَ تَعَالیٰ ''اَقِیْمُوْا الصَّلوٰۃَ وَ آتُوْا الزَّکوٰۃَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰہِ ھُوَ مَوْلٰکُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلیٰ وَنِعْمَ النَّصِیْرُ'' ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمُ.

کشادہ دستِ کرم جب وہ بے نیاز کرے
نیاز مند نہ کیوں عاجزی پہ ناز کرے

بزرگان محترم اور نوجوانان اسلام! قرآن کریم میں جابجا ایمانی اوصاف اور نصرت من جانب اللہ کا تذکرہ آیا ہے اور مسلمانوں کو بار بار اس بات کی تاکید کی گئی

ہے کہ تم سچے اور پکے مؤمن بنو اگر تم سچے مؤمن بنو گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہیں امداد ونصرت ضرور حاصل ہوگی۔ قرآن مجید کا یہ خاص مضمون ہے اس بارے میں اس قدر آیات ہیں کہ اس مختصر وقت میں ان سب کی گنجائش بھی نہیں ہے، تاہم اس سے متعلق چھوٹی چھوٹی آیت مع ترجمہ کے آپ حضرات کے سامنے عرض کر دیتا ہوں۔

"وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ" اور حق ہے ہم پر ایمان والوں کی مدد کرنا۔ "اِنَّ اللّٰهَ يُدَافِعُ عَنِ الَّذِيْنَ آمَنُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَايُحِبُّ كُلَّ خَوَّانٍ كَفُوْرٍ" یقیناً اللہ تعالیٰ مدافعت کرے گا اپنے ایمان والے بندوں کی طرف سے (یعنی دشمنوں کے مقابلہ میں ان کی حمایت کرے گا) اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں اور نہ ماننے والوں کو نہیں چاہتا۔ "وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" اور اپنی کمزوری اور اسباب ووسائل کی کمی کے خیال سے ہمت نہ ہارو، اور (اب تک جو گزر چکا اس کا) غم نہ کرو، تم ہی سربلند ہو گے اگر تم ایمان والے ہو۔

ان آیات میں ایمان والوں کی نصرت ومدد کا اور ان کو باعزت زندگی اور برتری کا مقام عطا فرمانے کا جو وعدہ فرمایا گیا ہے وہ بالکل واضح اور صاف ہے، لیکن یہ بات ملحوظ رہنی چاہئے کہ قرآن پاک میں ایسے موقعوں پر جہاں جہاں "مُؤْمِنِيْنَ" یا "اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا" کے الفاظ آتے ہیں (جن کا ترجمہ ایمان والوں سے کیا گیا ہے) ان سے مراد قوم کی ایسی جماعت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی لاشریک الوہیّت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر حقیقی ایمان رکھتی ہو اور اس کی زندگی اس کے ایمان کے مطابق ہو، لیکن اگر کسی قوم کا حال یہ ہو کہ وہ اپنے کو مسلمان تو کہتی ہو مگر اس کی زندگی ایمانی اور اسلامی نہ ہو جیسا کہ موجودہ مسلمان قوم کی عام حالت ہے تو وہ ان آیتوں کی مصداق نہیں ہے، بلکہ اس کے حسب حال تو وہ وعیدیں اور قہر

کی وہ آیتیں ہیں جن میں دین سے بے اعتنائی برتنے والے اور خدا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والے مدعیان ایمان کو دنیا وآخرت میں ذلت وخواری کی سزا دینے کا اعلان فرمایا گیا ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ

اس حقیقت کے نہ سمجھنے کی وجہ سے بہت سے لوگوں کو یہ غلط فہمی ہے کہ مسلمان قوم خواہ کیسی ہی ہو بہرحال غیر مسلموں کی مقابلہ میں وہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی مستحق ہے، حالانکہ قرآن مجید سے تو صاف یہ معلوم ہوا ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ پر ایمان کا دعویٰ کرنے والی کوئی قوم جب اپنی بداعمالیوں سے ایمانی عہد کو توڑتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکموں کے خلاف چلتی ہے تو کشمکش حیات میں وہ اللہ کی مدد سے محروم ہو جاتی ہے اور دنیا میں ذلت ورسوائی اس پر مسلط کر دی جاتی ہے، الغرض قرآن پاک میں ایمان والی قوم کے لئے غیبی مدد اور عزت وشوکت اور غلبہ وسلطنت کے جو وعدے فرمائے گئے ہیں ان کا تعلق اسی قوم اور اسی جماعت سے ہے جو ایمانی زندگی اور ایمانی اوصاف کی حامل ہو، دوسری آیات میں ان ایمانی اوصاف کو بھی متفرق طور سے بیان فرما دیا گیا ہے جن سے انسانی، ایمانی اور اسلامی زندگی بنتی ہے، بلکہ ان اوصاف ہی پر مدد اور نجات اور فلاح وترقی اور عزت وبالاتری کے وعدے فرمائے گئے ہیں جیسا کہ ارشاد باری ہے:

"فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا الزَّكٰوةَ وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ" پس قائم کرو نماز اور ادا کرتے رہو زکوۃ اور مضبوطی کے ساتھ وابستہ ہو جاؤ اللہ سے، وہی تمہارا کارساز ہے، پس بڑا اچھا کارساز اور بڑا اچھا مددگار ہے۔ "وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ لَئِنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ

وَآمَنۡتُمۡ بِرُسُلِیۡ وَعَزَّرۡتُمُوۡهُمۡ وَاَقۡرَضۡتُمُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا" اورفرمایا ہے، میں تمہارے ساتھ ہوں (یعنی میرا فضل اور میری مدد تمہارے ساتھ ہے) اگر تم قائم کرتے رہو نماز اور ادا کرتے رہو زکوۃ اور ایمان لائے میرے رسولوں پر اور ان کی تعظیم وتوقیر کرتے رہے اور اپنا مال ودولت اللہ کے کاموں اور دین کی ضرورتوں میں خرچ کرتے رہے۔"وَلَیَنۡصُرَنَّ اللّٰهَ مَنۡ یَّنۡصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیۡزٌ" اور یقیناً اللہ تعالیٰ مددگار رہوگا ان بندوں کا جو اس کے دین کی مدد کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ قوت اور غلبہ والا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کا مستحق کون؟

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کی مستحق وہی قوم ہوسکتی ہے جس میں اقامت صلوٰۃ، ادائے زکوۃ، اللہ تعالیٰ سے وابستگی، اس کے رسولوں کی توقیر اور دین کی ضرورتوں میں مال ودولت خرچ کرنے اور دوسرے طریقوں سے بھی دین کی مدد کرنے کے اوصاف موجود ہوں۔سورۂ نور میں ارشاد ہے"وَمَنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ وَیَخۡشَ اللّٰهَ وَیَتَّقۡهِ فَاُولٰٓئِکَ هُمُ الۡفَآئِزُوۡنَ" اور جو اطاعت کریں اللہ کی اور اللہ کے رسول ﷺ کی اور ڈریں اللہ سے اور بچیں اس کی نافرمانی سے تو وہی کامیاب ہوں گے۔

پھر دو آیتوں میں اس مضمون کو اور زیادہ تاکید کے ساتھ ارشاد فرمایا گیا ہے "وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡکُمۡ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسۡتَخۡلِفَنَّهُمۡ فِی الۡاَرۡضِ کَمَا اسۡتَخۡلَفَ الَّذِیۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ وَلَیُمَکِّنَنَّ لَهُمۡ دِیۡنَهُمُ الَّذِی ارۡتَضٰی لَهُمۡ وَلَیُبَدِّلَنَّهُمۡ مِّنۡ بَعۡدِ خَوۡفِهِمۡ اَمۡنًا" اللہ کا وعدہ ہے ان سے جو ایمان لادیں تم میں سے اور نیک اعمال کریں ان کو ضرور زمین میں حکومت دی جائے

گی جیسا کہ ان سے پہلوں کو حکومت بخشی تھی اور ان کے لئے ان کے اس دین اسلام کو قوت دے گا جو اس نے ان کے لئے پسند کیا ہے اور ان کے خوف وخطر کو امن واطمینان سے بدل دے گا۔

ایمان اور اعمال صالحہ اصل ہیں

معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اور اس کی بخشش سے دنیا میں حکومتی اقتدار اسی صورت میں مل سکتا ہے جب ان کی زندگی ایمان اور عمل صالح کی زندگی ہو، وہ اللہ ورسول ﷺ کی اطاعت کرتے ہوں اور اللہ سے ڈرتے ہوں۔ ہاں یہ ممکن ہے کہ مسلمان کہلانے والی کوئی قوم ایمان اور عمل صالح کی زندگی سے محروم ہونے کے باوجود دنیا کی دوسری قوموں کی طرح مادی جدوجہد کے ذریعہ کسی درجہ کا اقتدار کچھ روز کے لئے حاصل کرلے، لیکن یہ اللہ تعالیٰ کا اس پر خصوصی انعام نہ ہوگا، بلکہ اس کی خالص مادی کوششوں کا طبعی اور تکوینی نتیجہ ہوگا اور اس قوم کے واسطے ایک طرح کا ابتلا ہوگا، نیز اس کو پائیداری بھی نصیب نہ ہوگی اور طاقتور دشمنوں کی مادی کوششوں کے مقابلہ میں وہ قائم اور باقی نہ رہ سکے گا، ان دونوں صورتوں میں جو فرق ہے اس کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے، بعض لوگ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہی شبہات میں الجھ جاتے ہیں۔

سورۂ یونس میں ہے"اَلَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَکَانُوۡا یَتَّقُوۡنَ، لَهُمُ الۡبُشۡرٰی فِی الۡحَیٰوةِ الدُّنۡیَا وَفِی الۡاٰخِرَةِ، لَا تَبۡدِیۡلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ، ذٰلِکَ هُوَ الۡفَوۡزُ الۡعَظِیۡمُ" جولوگ ایمان لائیں اور تقویٰ اختیار کریں ان کے لئے اچھی انعام والی زندگی کی بشارت ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اللہ کی باتیں یقیناً پوری ہونے والی اور اٹل ہیں (دنیا وآخرت میں انعام والی زندگی ملنا یہ بڑی کامیابی ہے)

صبر کی توفیق بھی اللہ کی مدد سے ملتی ہے

اورسورۂ نحل کے ختم پر ہے ”وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُکَ اِلَّا بِاللّٰہِ وَلاَ تَحْزَنْ عَلَیْھِمْ وَلاَ تَکُ فِیْ ضَیْقٍ مِّمَّا یَمْکُرُوْنَ، اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الَّذِیْنَ اتَّقُوْا وَالَّذِیْنَ ھُمْ مُحْسِنُوْنَ“ (اے پیغمبرؐ) صبراور برداشت سے کام لیتے رہواورتمہارا صبر بھی اللہ کی مدد وتوفیق ہی سے ہوگا اوران منکروں اورمخالفوں کے حال پرغم نہ کھاؤ اوران کی مخالفانہ تدابیراور سازشوں کا فکروغم نہ کرو، یقین رکھواللہ تعالیٰ تقویٰ اختیار کرنے والوں اور نیکو کاروں کے ساتھ ہے۔ اور سورۂ طلاق میں ارشادفرمایا ہے ”وَمَنْ یَّتَّقِ اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّہٗ مَخْرَجًا، وَیَرْزُقْہُ مِنْ حَیْثُ لاَ یَحْتَسِبُ، وَمَنْ یَّتَوَکَّلْ عَلَی اللّٰہِ فَھُوَ حَسْبُہٗ، اِنَّ اللّٰہَ بَالِغُ اَمْرِہٖ“ اورجواللہ سے ڈریں اور اس کی نافرمانی سے بچیں وہ ان کے واسطے نکالے گا کوئی راہ اوردے گا ان کو اپنی نعمتیں وہاں سے جہاں سے انہیں گمان بھی نہ ہوگا اور جو اعتماد کریں اللہ پرتو اللہ ان کو کافی ہے یقیناً اللہ جس طرح چاہے اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔اورسورۂ ابراہیم میں فرمایا گیا ہے ”وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِرُسُلِھِمْ لَنُخْرِجَنَّکُمْ مِنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِیْ مِلَّتِنَا فَاَوْحٰٓی اِلَیْھِمْ رَبُّھُمْ لَنُھْلِکَنَّ الظّٰلِمِیْنَ، وَلَنُسْکِنَنَّکُمُ الْاَرْضَ مِنْ بَعْدِھِمْ، ذٰلِکَ لِمَنْ خَافَ مَقَامِیْ وَخَافَ وَعِیْدِ“ اورمنکروں نے رسولوں سے کہا ہم تمہیں اپنے ملک سے نکال باہر کریں گے یا پھرتم ہمارے مذہب میں لوٹ آؤ،تو ان رسولوں پران کے پروردگار نے وحی کی کہ ہم ان ظالموں ہی کو ہلاک کرڈالیں گےاوراس کے بعد تمہیں اس زمین میں جگہ دیں گے، یہ وعدہ ہےان سب لوگوں کے لئے جو ہماری پیشی سے ڈریں اور ہماری وعیدوتنبیہ سی خوف کریں۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ جس قوم میں تقویٰ اور نیکوکاری ہوتو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہےاور مشکلوں اور مصیبتوں سے اس کو نجات دلانے کا کفیل اورضامن ہے، نیز معلوم ہوا کہ اگرکوئی جماعت اللہ تعالیٰ کے محاسبہ اوراس کی وعیدوں اورتنبیہوں سے ڈرنے والی ہواورکوئی ظالم قوم یا گروہ اس خداترس جماعت کو اپنے ملک سے نکالنا چاہےتو ایسے ظالم وجابر خود ہی ہلاک وبرباد کردیئے جاتے ہیں،اوراللہ تعالیٰ اس صاحبِ تقویٰ اورخداترس جماعت کو ہی اس ملک کا وارث بنادیتا ہے۔

حق پر ثابت قدم رہنا ضروری ہے

سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے ”یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصَّابِرِیْنَ“ اے ایمان والوصبروثبات اورنماز سےقوت پکڑو، یقیناً اللہ ان کے ساتھ ہے جوصبر کرنے والے ہیں (یعنی جمنے والے اور برداشت کرنے والے ہیں) اورآل عمران کے خاتمہ میں ارشاد ہے ”یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوْا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ“ اے ایمان والو! مضبوطی سے حق پراورحق کی راہ پر جمے رہواور جماتے رہواورگھات میں لگے رہواوراللہ سے ڈرتے رہواوراس کے احکام کی خلاف ورزی سی بچتے رہوتا کہ تم فلاح پاسکو۔

ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی خاص مدد اوراس کے ذریعہ فلاح وکامیابی حاصل ہونے کے لئے صبر واستقامت اور راہ حق میں تکالیف کا برداشت کرنا اورحق پر جمے رہنا بھی ضروری ہے۔سورۂ صف میں اللہ اوراس کے رسولؐ پرصحیح طریقہ سے ایمان لانے والوں اور راہ خدا میں جان ومال سے کوشش کرنے والوں کو جنت کا وعدہ دینے کے بعد ارشادفرمایا گیا ہے ”وَاُخْرٰی تُحِبُّوْنَھَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰہِ

وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ، وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ" اور دار آخرت کی اس جنت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا ہوگی جس کو تم بہت چاہتے ہو (یعنی اللہ کی خاص مدد اور اس کے نتیجہ میں ملنے والی قریبی فتح) اور اے رسول آپ ایمان والوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔

گذشتہ آیات میں وہ اکثر اوصاف آ گئے ہیں جن سے در حقیقت ایمانی زندگی بنتی ہے، پس جو قوم اور جو جماعت اپنے اندر یہ اوصاف پیدا کر لے وہ اللہ تعالیٰ کی خاص غیبی مدد کا مستحق ہو جاتی ہے اور پھر تعداد کی قلت اور وسائل واسباب کی کمی اور کمزوری کے باوجود اللہ کی خاص مدد سے کشمکش حیات میں وہی غالب رہتی ہے اور بڑی سے بڑی طاقتیں اس کے مقابلہ میں شکست کھاتی ہیں، بلکہ پاش پاش ہو جاتی ہیں، یہ قوم اور یہ جماعت اللہ کی جماعت ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی بے پناہ غیبی قوتیں اس کے ساتھ ہوتی ہیں جب تک کہ وہ اپنے ان اوصاف پر قائم رہے، ارشاد ہے "وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالَّذِيْنَ آمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغَالِبُوْنَ" اور جو ساتھ پکڑ لیں اللہ اور اس کے رسول کا اور ایمان والوں کا تو بس اللہ کی یہی جماعت غالب آنے والی ہے۔

اہلِ ایمان سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ

بہر حال اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے صرف مسلمان کہلانے والی کسی قوم سے نہیں ہیں بلکہ ایمانی زندگی رکھنے والی قوم اور ایمانی اوصاف کی حامل جماعت سے ہیں اور قیامت تک کے لئے ہیں اور دنیا کی تاریخ گواہ ہے کہ جس دور میں بھی کوئی قوم اور جماعت ایمانی اوصاف کی حامل ہوئی تو دنیا کے معرکوں میں اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ اس کی مدد فرمائی ہے اور وہ اپنی تعداد کی کمی و بے سروسامانی کے باوجود اپنے دشمنوں کی

بڑی بڑی مسلح فوجوں پر غالب آئی ہیں اور جس حکومت یا طاقت نے بھی اس کو مٹانا چاہا ہے وہ خود مٹ گئی ہے، قرآن مجید کی شہادت ہے "وَكَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِاِذْنِ اللّٰهِ" کتنی ہی کم تعداد والی جماعتیں غالب آئی ہیں بڑی تعداد رکھنے والی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے۔

یہ تو قرآن مجید نے اگلے زمانوں کے مؤمنین، صادقین کے متعلق بتلایا ہے اور خود امت محمدیہ ﷺ جب ایمانی اوصاف کی پوری طرح حامل تھی تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے یہ وعدے جس طرح پورے ہوئے اسلامی تاریخ سے معمولی سی واقفیت رکھنے والا ہر شخص بھی اس کو اچھی طرح جانتا ہے۔ بہر حال اگر قرآن مجید پر ہمارا ایمان ہے اور اسلامی تاریخ سے ہم بالکل بے خبر نہیں ہیں تو اس حقیقت میں ہم کو کوئی شک نہ ہونا چاہئے کہ کسی قوم اور جماعت میں اگر ایمان والے اور ایمانی اوصاف موجود ہوں تو اپنی تعداد کی کمی اور اسباب ووسائل کی کمزوری کے باوجود اس دنیا کی مشکلوں اور مصیبتوں سے بھی نجات پاسکتی ہے اور باعزت زندگی اور اقتدار کا مقام بھی اس کو حاصل ہوسکتا ہے بلکہ حاصل ہونا ضروری اور یقینی ہے یہ اللہ تعالیٰ کا اٹل وعدہ اور اس کا نہ بدلنے والا قانون ہے۔

ان تمام آیتوں کے پیش نظر ہمیں چاہئے کہ قرآن کریم کے مصداق صحیح مؤمن بنیں تا کہ اس کے غضب سے بچتے ہوئے اس کی امداد ونصرت پاسکیں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

☆☆☆

نماز میں حضور ﷺ پر سلامِ رحمت و برکات

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "اِنَّ اللّٰهَ وَمَلآئِکَتَهٗ یُصَلُّوْنَ عَلیٰ النَّبِیْ یَآ اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا" ؕ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِیْم. "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُعْطِیْتُ مَالَمْ یُعْطِ اَحَدً مِّنَ الْاَنْبِیَآءِ نُصِرْتُ بِالرَّغْبِ وَاُعْطِیْتُ مَفَاتِیْحُ الْاَرْضِ وَسَمَّیْتُ اَحْمَدٌ وَجَعَلَ التُّرَابُ لِیْ طَهُوْراً وَجَعَلَ اُمَّتِیْ خَیْرُ الْاُمَمِ" اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْهِ السَّلَامَ.

نگاہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

بزرگان محترم اور نوجوانان اسلام! نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں سوائے خدائے تعالیٰ کے اور کسی کا ذکر کرنے یا یاد کرنے کی اجازت نہیں ہے لیکن نبی اکرم

سرکار دو عالم ﷺ پر ہر نماز میں قعدۂ اخیرہ میں درود پڑھا جاتا ہے اور نماز خراب نہیں ہوتی، علمائے کرام کے مطابق اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں واضح الفاظ کے ذریعہ آپ ﷺ پر درود و سلام بھیجنے کا حکم فرما دیا اور دوسری یہ کہ جب شب معراج میں رویت خداوندی کے موقع پر حضور سرور کائنات ﷺ نے خداوند قدوس سے مخاطب ہو کر فرمایا "اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلوٰةِ وَالطَّیِّبَاتِ" (اے اللہ حیائیں، صلوٰتیں اور طیبات سب تیرے لئے ہیں) اللہ رب العالمین نے جواب میں حضور سرور عالم ﷺ سے مخاطب ہو کر فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ" (اے نبی ﷺ تجھ پر میرا اسلام ورحمت و برکات ہوں) خداوند قدوس کے اس جوابی تحفہ پر حضور اقدس ﷺ نے اپنی امت کے تمام صالحین بندوں کو اس شریک کر کے فرمایا "اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْن" (سلام ہے ہم پر اور اللہ کے تمام صالحین بندوں پر) معاً تمام فرشتوں کی زبان سے تسبیح گونج اٹھی "اَشْهَدُ اَنْ لاَ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنْ مُحَمَّدً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ"

معراج کی اس تسبیح کو حضور اکرم ﷺ نے نماز میں شامل کر کے جزو عبادت بنایا اور اسے مؤمن کی معراج بتلا کر امت کو شریک معراج ہونے کا شرف بخشا اور فرمایا "اَلصَّلوٰةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِیْنْ" نماز مؤمن کی معراج ہے۔

نماز جیسی اللہ کی عبادت کے چوتھے رکن "قعدہ" میں حضور اکرم ﷺ کو ایک امتی کا ضمیر واحد مذکر مخاطب کے صیغہ سے "اَلسَّلَامُ عَلَیْکَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَکَاتُهٗ" کہنا یعنی آپ ﷺ کو مخاطب کر کے سلام اللہ کی رحمت و برکات کا نذرانہ پیش کرنا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ مسلمان کی عبادت اس وقت تک عبادت نہیں کہلاتی جب تک وہ رسالت کو جزو عبادت نہ سمجھے، ایسی عبادت

شرک فی التوحید نہیں، بلکہ اتمام توحید ہے، یہی وجہ ہے کہ کلمہ طیبہ کی بنیاد ہی توحید ورسالت پر رکھی گئی ہے، کوئی شخص صرف ''لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ'' کے اقرار پر مسلمان نہیں کہلاتا بلکہ ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰه'' کا اقرار لازمی شرط ہے، حقیقت تو یہ ہے کہ توحید ورسالت کے درمیان کلمہ طیبہ میں کوئی خطِ فاصل نہیں (واؤ عطف) نہیں آیا، یہی وجہ ہے کہ قرآن پاک میں حضور سرور کائنات ﷺ کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت قرار دیا گیا ہے، فرمایا ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰه'' یعنی جس نے رسول (محمد ﷺ) کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی، اسی حقیقت کو سمجھ کر نماز ادا کرنے سے مؤمن کی معراج ہوتی ہے اور ''اَلصَّلوٰةُ مِعْرَاجُ الْمُؤْمِنِيْنَ'' کا مفہوم اجاگر ہوتا ہے۔ ؎

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسیں وہی طٰہٰ

سرورِ کونین ﷺ پر درود وسلام

قرآن حکیم میں اللہ رب العالمین نے حضور انور ﷺ پر درود وسلام بھیجنے کی تاکید فرمائی ہے ''اِنَّ اللّٰـهَ وَمَلآئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَى النَّبِىِّ يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا'' (الاحزاب)

اللہ اور اس کے ملائکہ نبی (ﷺ) پر درود بھیجتے ہیں، اے مسلمانو! تم بھی نبی ﷺ پر درود وسلام بھیجا کرو۔ کثرت سے بھیجنا تو انتہائی افضل وبرتر ہے، اس حکم میں بھی تمام مسلمانوں کو یکساں شریک کیا گیا ہے اور تمام مسلمان اس حکم کی تعمیل کو سعادت سمجھتے ہیں۔

اطاعتِ رسول ﷺ

قرآن حکیم میں جہاں بھی رسول ﷺ کی اطاعت کا ذکر آیا ہے وہاں اس کے صاحب کتاب یا صاحب شریعت ہونا ذکر فرمایا ہے، قرآن حکیم نے ہر رسول کے ساتھ کتاب کا ہونا ضروری قرار دیا ہے، فرمایا ''وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰب'' ہم نے اپنے رسولوں کو دلائل کے ساتھ بھیجا اور ان کے ساتھ کتاب اتاری، اسی طرح ہر نبی کے ساتھ کتاب کا ہونا ضروری ٹھہرایا، فرمایا ''فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ'' پس اللہ نے نبیوں کو بھیجا خوشخبری دینے والے ڈرانے والے اور ان کے ساتھ حق کے ساتھ کتاب اتاری، صاحبِ کتاب یا رسول وہی ہوتا ہے جو من جانب اللہ وحی کے ذریعہ اپنا اعلان نبوت کرے یا اعلان رسالت کرے اس کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ وہ رسول یا نبی کسی اور نبی یا رسول کی اطاعت نہ کرے بلکہ لوگ اس کی اطاعت کریں، اسی کو قرآنی اصطلاح میں ''مطاع'' کہا جاتا ہے، فرمایا ''وَمَا اَرْسَلْنَا مِنَ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ'' اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اللہ کے اذن سے اس کی اطاعت کی جائے، اس طرح ایک نبی یا رسول کسی اور نبی یا رسول کا امتی نہیں ہوتا، نبی یا رسول ہو کر امتی ہونا یا امتی ہو کر نبی یا رسول ہونا دو متضاد باتیں ہیں، نبی یا رسول اللہ تعالیٰ کی اطاعت اصالتاً کرتا ہے اسے اللہ کی جانب سے براہ راست وحی آتی ہے، ایک امتی بھی اللہ کے احکام کی اطاعت کرتا ہے وہ احکام اسے نبی یا رسول کے ذریعہ حاصل ہوتے ہیں اس طرح کسی بھی امتی کا اللہ کی اطاعت کرنا اس حقیقت کا خود بخود اعتراف ہے کہ اس نے اللہ کی اطاعت رسول یا نبی کے واسطے سے کی ہے اس لئے کہ اللہ کی اطاعت قانون شریعت کے ذریعہ ہی کی جاسکتی ہے، جب کہ شریعت یا

قانون نبی یا رسول کے ذریعہ بندوں تک پہنچتے ہیں، گویا رسول اللہ تعالیٰ کے قانون کو یا احکام کو متشکل حیثیت میں پیش کرتا ہے اس لئے رسول کی اطاعت کے بغیر اللہ کی اطاعت کا دعویٰ نہ صرف کذب ہے بلکہ خود فریبی ہے، قرآن حکیم میں کہیں نہیں آیا کہ جس نے اللہ کی اطاعت کی اس نے رسول کی اطاعت کی، اس کے برعکس اس حقیقت کا واشگاف الفاظ میں اعلان ہوا ہے کہ جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ ہی کی اطاعت کی، فرمایا ”وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ“ جو شخص رسول کی اطاعت کرتا ہے وہ یقیناً اللہ ہی کی اطاعت کرتا ہے۔

تجدید ایمان

قرآن پاک میں تجدید دوبارہ ایمان لانے کا حکم ہوا ہے، فرمایا ”يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ“ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ اور اس کے رسول پر (دوبارہ) ایمان لاؤ! مگر ایمان لانے کی تاکید کسی اور پر ایمان لانے کے لئے نہیں ہے بلکہ اس سابقہ ایمان کا اعادہ یا تجدید ہے، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی پر دوبارہ ایمان لانے کا حکم ہوا ہے، معلوم ہوا کہ جس پر ایمان لایا جائے گا وہ رسول یعنی صاحب شریعت کے سوا کوئی اور شخصیت نہیں ہوسکتی، ولی ہو یا مجدد، امام ہو یا محدث، اُولی الامر ہو یا راسخ فی العلم، غوث ہو یا قطب، سالک ہو یا قلندر حضور اکرم ﷺ کے بعد تجدید ایمان کے لئے ان کا وجود ذریعہ یا وسیلہ ہے، قرآن حکیم میں آیا ہے ”يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا تَّقُوْا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ“ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کا تقویٰ کرو اور اس (اللہ) کے لئے وسیلہ ڈھونڈو۔

اطاعتِ اُولی الامر

قرآن حکیم میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے علاوہ اولی الامر کی

اطاعت بھی لازمی قرار دی گئی ہے، فرمایا ”قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ“ اے لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اور اپنے میں صاحبان امر کی اطاعت کرو، پھر اگر کسی چیز میں باہم جھگڑا کرو تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لے آؤ۔

اُولِي الْاَمْرِ میں جمع کا صیغہ آیا ہے جس کی معنی صاحبان امر کے ہیں، گویا ایک وقت میں کئی افراد اس منصب پر فائز ہو سکتے ہیں اور اطاعت رسول کے ذریعہ تمام ایک جماعت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، انہیں انفرادی حیثیت کے بجائے اجتماعی حیثیت ہی سے جمع کے صیغہ میں اَوْلِيَاءَ اللّٰهِ، حِزْبُ اللّٰهِ، اُولِي الْاَمْرِ، رَاسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ، صِدِّيْقِيْنَ، شُهَدَآءِ اور صَالِحِيْنَ کہا گیا ہے، ان میں کے تمام افراد امتی ہونے کی وجہ سے سب آپس میں بھائی بھائی ہیں، یہ بھائی چارگی ایک دوسرے پر حجت بننے یا ایمان لانے کا ذریعہ نہیں بن سکتی صرف سنت رسول ﷺ خلق رسول ﷺ، اسوۂ رسول ﷺ، اور سیرت رسول ﷺ کو تازہ و درخشندہ رکھنے کے لئے ان کا وجود کام کرتا ہے، حضور اکرم ﷺ کے بعد ان کی اطاعت لازم تو ہے لیکن اگر امت میں امور دین میں کوئی تنازعہ پیدا ہو تو فیصلہ کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہی کی طرف لوٹانے یا رجوع کرنے کا حکم ہوا ہے، جیسا کہ فرمایا ”فَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ“ امور دین میں اختلاف کو مٹانے کے لئے اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد اس کے قانون (قرآن) کی جانب رجوع ہونا ہے اور رسول ﷺ کی طرف لوٹانے سے مراد حضور ﷺ کی سیرت اسوہ، خلق اور سنت کی جانب اشارہ ہے، غرض امام ہو یا ولی، مجدد ہو یا محدث، اولی الامر ہو یا صدیق، غوث ہو یا قطب، سالک ہو یا قلندر، عارف ہو یا

ابدال تمام کے تمام خادم خاتم النبیین ﷺ ہیں، اس لئے خود خادم اپنے مخدوم کے خادموں (امت) پر اپنی حجت یا دعویٰ پیش نہیں کرسکتا، ثابت ہوا کہ قطعی رسول کی ذات ہے نہ کہ اولی الامر یا کوئی اور۔

عظمتِ صحابہؓ

ہر زمانہ میں امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لئے ایک جماعت ہونی چاہئے، قرآن حکیم میں فرمایا گیا ہے اور لام امر کی تاکید سے ارشاد ہوا ہے "وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ" اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو جو بھلائی کی طرف بلائے اور اچھے کاموں کا حکم دے اور برے کاموں سے روکے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں، اس آیت میں خیر کی طرف بلانے والی جماعت کی نشاندہی کی گئی ہے جو صحابۂ کرامؓ کے نام سے موسوم ہے، قرآن پاک نے اس گروہ کو مخاطب ہوکر فرمایا "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ" تم امت کا خیر ہو جو لوگوں (کی بھلائی) کے لئے ظاہر کی گئی ہے، تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو۔

خَيْرَ اُمَّةٍ کے معنی امت کے بہترین لوگ ہیں یعنی امت کا بہترین حصہ ہیں، رہتی دنیا تک کو اسی گروہ کو ہمہ گیرئ رسالت کی بنا پر "خَيْرَ اُمَّةٍ" ہونے کا شرف حاصل رہے گا اور امت مسلمہ میں جب کبھی لام امر کی تاکید کے ساتھ کوئی جماعت دعوتِ اِلَى الْخَيْرِ کے لئے کھڑی ہوگی ان کے لئے یہی صحابۂ کرامؓ کی جماعت کامل نمونہ بنی رہے گی۔

جس طرح صحابۂ کرامؓ امت کا بہترین حصہ ہیں اسی طرح امت مسلمہ انبیاء ماسبقؑ کی تمام امتوں میں بہترین امت ہے جسے حضور اکرم سرور عالم ﷺ نے "خیر الامم" ہونے کا اعزاز دیا ہے، حدیث شریف ہے "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ اُعْطِيْتُ مَالَمْ يُعْطَ اَحَدٌ مِّنَ الْاَنْبِيَآءِ نُصِرْتُ بِالرَّغْبِ وَاُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحُ الْاَرْضِ وَسُمِّيْتُ اَحْمَدُ وَجَعَلَ التُّرَابُ لِيْ طَهُوْرًا وَجَعَلَ اُمَّتِيْ خَيْرُ الْاُمَمِ" یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے وہ کچھ دیا گیا جو کسی نبی کو نہیں دیا گیا، میری نصرت رعب سے کی گئی اور مجھے زمین کے خزانے دئے گئے اور میرا نام احمد ﷺ رکھا گیا اور میرے لئے مٹی پاک کردی گئی اور میری امت تمام امتوں سے بہترین بنائی گئی۔

اس سے معلوم ہوا کہ امت مسلمہ کا بہترین حصہ جن کی شان میں اور ان کے متبعین کی شان میں قرآن شریف میں آیا ہے "رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" فرمایا "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ" اور پہلے سبقت لے جانے والے مہاجرین اور انصار میں سے جنہوں نے نیکی میں ان کی پیروی کی اللہ ان سب سے راضی ہوا اور وہ اللہ سے راضی ہوئے۔

حالانکہ خیر الامت اور خیر الامم داعی الی الخیر ہونے کی حیثیت سے منصب فعلیہ میں دونوں جماعتیں مشترک ہونے کے باوجود خیر اُمَّةٍ والی جماعت اپنے فعل میں حاضر ومخاطب اور خیر الامم اپنے غائب اور غیر مخاطب وحاضر کے صیغہ میں جلوہ افروز اور یہ غائب کے صیغہ میں گم کہاں وہ کہاں یہ، اس لئے خیر اُمَّةٍ والی جماعت یعنی صحابۂ کرامؓ ہی کو عالم انسانیت پر حجت کے طور پر مختص کیا گیا ہے اور انہیں کی سیرت طیبہ کو منظر عام پر لایا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان عظیم ہے کہ ہم پر اپنے پیارے حبیب خاتم النبین رحمت العالمین محمد مصطفیٰ ﷺ کے طفیل میں امت مسلمہ کو وہ نورانی مقامات بخشے ہیں جن کا اجمالاً ذکر کیا گیا ہے اور جن کو الفاظ میں بیان کرنا انسانی فہم وادراک سے باہر ہے اور ساتھ ہی ساتھ امت مسلمہ پر بہت بھاری ذمہ داری بھی ڈالی گئی ہے جس کو ادا کر کے ہی ہم اپنے منصب کے مستحق قرار پائیں گے اور اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حضور میں سرخرو ٹھہر سکتے ہیں۔

آج ملت کا شیرازہ مختلف جماعتوں یعنی اہل حدیث، اہل سنت والجماعت، تبلیغی جماعت، جماعت اسلامی، خانقاہوں کے سجادگانِ وقت وغیرہم کی شکل میں تقسیم ہو کر امت ملتِ واحدہ کی شناخت کو کھو چکا ہے، ہر جماعت اپنا ایک علٰحدہ قائد رکھتی ہے اور اپنے ہی انداز میں دین کی دعوت کو پہنچانا اور اپنے طرز فکر کو برپا کرنے کو عین منشائے دین سمجھتی ہے، اسی طرح عامۃ المسلمین طبقاتی طور پر ان سے متاثر ہو کر گروہ بندیوں میں بٹ گئے ہیں، یہی نہیں بلکہ ایک طبقہ نے دوسرے طبقہ کی مخالفت کر کے اپنے مکتبۂ فکر کو اپنا محور بنالیا ہے، نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں باہمی انتشار سے بچاتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ ی فرمابرداری کے ساتھ ساتھ شریعت کے تمام امور پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن.

☆☆☆

جزاوسزا کا قرآنی تصور

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَھَا وَبَیْنَہٗ اَمَدًا بَعِیْدًا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰہُ نَفْسَہٗ وَاللّٰہُ رَؤُوْفٌ بِالْعِبَادِ" ۝ وَقَالَ تَعَالیٰ "مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَۃِ فَلَہٗ عَشْرُ اَمْثَالِھَا وَمَنْ جَاءَ بِالسَّیِّئَۃِ فَلَا یُجْزیٰ اِلَّا مِثْلَھَا وَھُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ" ۝ وَقَالَ تَعَالیٰ "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْرًا یَّرَہٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرًّا یَّرَہٗ" ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی　　یہ خاکی اپنی فطرت پہ نہ نوری نہ ناری ہے
ہاتھوں سے اپنے دامن دنیا نکل گیا　　رخصت ہوا دلوں سے خیال معاد بھی

بزرگان محترم اور نوجوانان اسلام! اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت انسان کا مزاج عجیب انداز کا بنایا ہے، انسان جب کوئی عمل کرتا ہے تو اپنے ہر عمل کا بدلہ چاہتا ہے، اگر

اس کو اس کے عمل کا بدلہ نہ ملے تو وہ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جائے اور زندگی کی ساری سر گرمیاں معطل ہو جائیں، دوسری طرف قدرت نے انسانوں کو ایک بااختیار مخلوق بنایا ہے، اس کے اندر غور وفکر اور حرکت وعمل کی صلاحیت رکھی ہے نیز وہ طرح طرح کی خواہش بھی رکھتا ہے جن کی تکمیل کی وہ جدوجہد کرتا ہے، اس کی ساری محنتیں، جدو جہد اور تگ ودو کا انحصار اس کے ممکنہ نتائج پر ہے انہی کی امید پر وہ جیتا اور مرتا ہے۔

انسان کے بعض اعمال فوری نتائج کے حامل ہوتے ہیں اور اس کے بعض اعمال کا نتیجہ فوری طور پر ظاہر نہیں ہوتا ہے، بسا اوقات اس کے لئے کبھی ایک مدت اور کبھی ایک لمبی عمر تک انتظار کرنا پڑتا ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ آدمی اپنے عمل کا نتیجہ اپنی زندگی میں نہ دیکھ پائے، آدمی یہاں جو بھی عمل انجام دیتا ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک اچھا عمل اور دوسرا برا عمل، یہاں نہ اچھے عمل کا پورا بدلہ آدمی کو مل پاتا ہے اور نہ ہی برے عمل کا خمیازہ وہ بھگتتا ہے، دونوں صورتوں میں عقل فیصلہ کرتی ہے کہ مجرم کو سزا ملے اور نیکی کرنے والے کو اس کا اچھا اجر، اگر ایسا نہ ہو تو خیر وشر، حق وباطل اور نیکی وبرائی کا سارا فلسفہ ہی بے معنی ہو کر رہ جائے، قرآن نے اس بارے میں جو تصور قائم کیا ہے وہ عرض کرتا ہوں۔

قرآن کا تصورِ عمل

عمل کا جو تصور قرآن نے دیا ہے وہ ہر چھوٹے بڑے عمل کو شامل ہے یعنی آدمی خواہ کوئی بڑا کام انجام دے یا چھوٹا، معمولی نتائج کا حاملِ عمل ہو یا غیر معمولی نتیجہ برآمد کرنے والا عمل، وقتی معنویت رکھنے والا عمل ہو، خواہ مستقل معنویت رکھنے والا عمل، حتی کہ ایک نگاہِ غلط اور ایک قدم بے راہ روی بھی عمل کے دائرہ میں داخل ہے، اسی طرح آمی نے خواہ نیکیوں کے ڈھیر جمع کئے ہوں، خواہ کسی کو اپنی مسکراہٹ کا

صدقہ دیا ہو ہر چیز اس کے عمل میں شمار ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ“ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نی ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”يٰبُنَيَّ اِنَّهَآ اِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِيْ صَخْرَةٍ اَوْ فِي السَّمٰوٰتِ اَوْ فِي الْاَرْضِ يَاْتِ بِهَا اللّٰهُ، اِنَّ اللّٰهَ لَطِيْفٌ خَبِيْرٌ“ اے بیٹے کوئی چیز رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو اور کسی چٹان میں یا آسمانوں یا زمین میں کہیں چھپی ہوئی ہو اللہ اسے نکال لائے گا وہ ریک بین اور باخبر ہے۔

جزاء وسزا کا قرآنی تصور

جزاء کے لغوی معنی بدلے کے ہیں جو کسی چیز یا کام کے بدلے میں حاصل ہوں اس سے خیر وشر دونوں قسم کے برلے مراد ہیں، جزائے خیر کے لئے قرآن شریف میں ثواب اور اجر کے الفاظ بھی مستعمل ہیں اور جزائے شر کے لئے عذاب، عقاب، ہلاکت اور انتقام جیسے الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

جزاء کے اصطلاحی معنی کسی اچھی یا برے عمل کا بدلہ جو اللہ کی طرف سے دنیا یا آخرت میں آدمی کو دیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے عمل کا بدلہ خواہ اچھا ہو یا برا دینے کا وعدہ کیا ہے، یہ بدلہ دنیا میں بھی مل سکتا ہے اور آخرت میں بھی، دنیا میں اچھے عمل کا بدلہ فضل کے طور پر دیا جاتا ہے اور آخرت میں انعام کے طور پر، اس طرح دنیا میں برے عمل کا بدلہ عبرت ونصیحت آموزی کے لئے ہوتا ہے اور آخرت میں انجام کے طور پر، دنیا کا بدلہ مطابقِ عمل بھی ہو سکتا ہے اور اس سے کم بھی لیکن آخرت میں پورا پورا بدلہ دیا جائے گا وہاں پر کسی قسم کی کمی نہ کی جائے گی، اچھے عمل کا بھی پورا اجر ملے گا اور

برے عمل کا بھی پورا بدلہ دیا جائے گا، اس سلسلہ میں قرآنی آیات کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے۔

ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ دیا جائے گا

عامل خواہ دنیا میں ذی حیثیت رہا ہو یا معمولی حیثیت کا آدمی ہو، خواہ امیر ہو یا غریب ہو، بادشاہ ہو یا گدا ہو، عالم ہو یا جاہل ہو، عورت ہو یا مرد ہو، غرض کہ ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح عامل نے خواہ اچھا کام کیا ہو یا برا کام کیا ہو، اس کا عمل خواہ معمولی ہو یا غیر معمولی ہو، انفرادی ہو یا اجتماعی ہو، اعلانیہ ہو یا خفیہ ہو، اس کے ایک ایک عمل کا بدلہ دیا جائے گا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”یَوْمَ تَجِدُ کُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَیْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْءٍ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَیْنَهَا وَبَیْنَهٗ اَمَدًا بَعِیْدًا وَیُحَذِّرُکُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَؤُفٌ بِالْعِبَادِ“ وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اپنے کئے کا پھل حاضر پائے گا خواہ اس نے بھلائی کی ہو یا برائی، آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَیْرًا یَّرَهٗ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا یَّرَهٗ“ جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر بدی کی ہوگی وہ اس کو دیکھ لے گا۔

جو دنیا چاہے اسے دنیا ملے

بے شک اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی اجر دیتا ہے لیکن آخرت کا اجر بہترین ہے اس کے باوجود جو شخص دنیا کی خواہش کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دنیا میں ہی سب کچھ دے دیتا ہے آخرت میں اس کے لئے کوئی حصہ مقرر نہیں ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًا وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ

الدُّنْیَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَنْ یُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَسَنَجْزِی الشّٰکِرِیْنَ“ کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا، موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے جو شخص ثوابِ دنیا کے ارادہ سے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثوابِ آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا وہ آخرت میں ثواب پائے گا اور شکر گزاروں کو ہم ان کی جزاء ضرور عطا کریں گے۔

آج اس کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے کہ اکثر لوگوں کی منتہائے مقصود دنیا ہے، ان کی تمام سرگرمیاں، جدو جہد، دوڑ دھوپ اور تگ ودو کا محور اور مقصد دنیا کا حصول یا دنیا میں عیش وعشرت کا حصول ہوتا ہے، وہ ہر عمل وفعل کا انجام دنیا ہی میں دیکھنا چاہتے ہیں اور اگر دنیا میں انہیں کوئی مصیبت لاحق ہو جاتی ہے تو جزع وفزع کرنے لگتے ہیں اور صبر کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْیَا وَمَالَهٗ فِی الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ“ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں ہی سب دے دے، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا، وَالْاٰخِرَةُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی“ تم لوگ دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور پائیدار ہے۔ لیکن آخرت کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینے والے کو معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا فانی ہے اور آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے، دنیا کی نعمتیں ختم ہو جائیں گی جبکہ آخرت کی سدا کی زندگی ہوگی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”کَلَّا بَلْ تُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَتَذَرُوْنَ الْاٰخِرَةَ“ ہرگز نہیں، اصل بات یہ ہے کہ تم لوگ جلدی حاصل ہونے والی چیز یعنی دنیا سے محبت رکھتے ہو اور آخرت کو چھوڑ دیتے ہو۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”اَنَّ

هٰٓؤُلَآءِ يُحِبُّوْنَ الْعَاجِلَةَ وَيَذَرُوْنَ وَرَآئَهُمْ يَوْمًا ثَقِيْلاً" یہ لوگ جلدی حاصل ہونے والی (دنیا) سے محبت رکھتے ہیں اور آگے جو بھاری دن آنے والا ہے اسے نظر انداز کردیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ عمل کا اجر ضائع نہیں کرتا

یہ دنیا دار الجزاء نہیں دار العمل ہے یہاں ہر عمل کا پورا پورا بدلہ نہیں مل سکتا جس عمل کا نتیجہ فوری طور پر دنیا میں ظاہر نہ ہو تو اسے مایوس ہونے کی ضرورت نہیں ہے، اس کے لئے آخرت میں اجر ہوگا کیوں کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ وہ کسی کا اجر ضائع نہیں کرتا ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّىْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى" جواب میں ان کے رب نے فرمایا، میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں، خواہ مرد ہو یا عورت۔

نیکی کا اجر دنیا و آخرت دونوں جگہ ہے

ایسا نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نیکی اور عمل صالح کا اجر صرف آخرت ہی میں دے گا بلکہ دنیا میں بھی وہ اجر دیتا ہے، تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ بہت سے انبیاء، اولیاء اور صالح لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں بھی انعام واکرام سے نوازا اور آخرت میں بھی ان کے لئے بہترین اجر ہے، قرآن میں سلیمان اور داؤد علیہ السلام کے تذکرے آتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو نبوت کے ساتھ حکومت بھی عطا کی تھی اسی طرح اور بھی بہت سی مثالیں موجود ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "فَاٰتٰهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ، وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ" آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت بھی عطا کیا اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔

نیکی کا اجر دنیا و آخرت میں بھی ملتا ہے اور اس کا اجر دوگنا اور اس سے بڑھ کر بھی ملتا ہے، عمل اگر صالح ہو اور عامل نے خلوص نیت سے اسے انجام دیا ہو تو اس کا اجر دوگنا سے لے کر ستر گنا اضافہ کرکے دیا جاتا ہے بلکہ بعض نیکیوں کے اجر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ بے حساب ہوگا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا" اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ تعالیٰ اسے دو چند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے اجر عطا فرمایا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے "مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ" جو اللہ کے حضور نیکی لے کر آئے گا اس کے لئے دس گنا اجر ہے اور جو بدی لے کر آئے گا اس کا اتنا ہی بدلہ دیا جائے گا جتنا اس نے قصور کیا ہے اور کسی ظلم نہیں کیا جائے گا۔ ایک جگہ ارشاد ہے "لِيُوَفِّيَهُمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدَهُمْ مِنْ فَضْلِهٖ اِنَّهٗ غَفُوْرٌ شَكُوْرٌ" تاکہ اللہ ان کے اجر پورے کے پورے ان کو دے اور مزید اپنے فضل سے ان کو عطا فرمائے بے شک اللہ بخشنے والا اور قدر دان ہے۔

نیکی کا مکرر اجر ہے

ایسا نہیں ہے کہ نیکی کا اجر اللہ تعالیٰ نے ایک بار جتنا اور جیسے چاہا دے دیا بلکہ وہ بندوں کو ان کے اعمال کا اجر بار بار اور بتکرار دیتا ہے یا دے گا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ" یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ان کا اجر دوبار دیا جائے گا اس ثابت قدمی کے بدلے جو انہوں نے دکھائی، وہ برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں اور جو کچھ رزق ہم نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔

نیکی کا بے حساب اجر ہے

اللہ تعالیٰ ایک بار دنیا میں اجر دے گا اور دوسری بار آخرت میں، لیکن اللہ تعالیٰ کی بے پایہ نوازش اس کی متقاضی ہے کہ وہ دنیا میں بھی بار بار اجر دے اور آخرت میں بھی بار بار اجر دے، صحیح بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ کس طرح دے گا اس کا علم کسی کو نہیں ہے اور نہ کوئی اس کا انداز لگا سکتا، ہے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِیَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ“ جیسا کہ کچھ آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان کے اعمال کی جزاء میں ان کے لئے چھپا رکھا گیا ہے اس کی کسی متنفس کو خبر نہیں ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”مَنۡ ذَا الَّذِىۡ يُقۡرِضُ اللّٰهَ قَرۡضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضۡعَافًا كَثِيۡرَةً“ تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر واپس کرے۔

سزا کا قرآنی تصور

نیکی کا جس طرح دنیا و آخرت میں بے حساب اجر ہے اسی طرح برائی کا اجر ہے جو دنیا و آخرت میں اور دردناک شکل میں ملے گا، خواہ وہ برائی معمولی ہو یا غیر معمولی، اس کا ارتکاب کسی ذی حیثیت نے کیا ہو یا معمولی حیثیت رکھنے والے نے، بہر حال برائی کا بدلہ دیا جائے گا، الا یہ کہ آدمی اس سے توبہ کر کے اصلاح حاصل کر لے یا اللہ تعالیٰ اس کو معاف کر دے، لیکن بہر حال اللہ تعالیٰ جس طرح اچھے اجر دینے پر قادر ہے اسی طرح برے اجر کی بھی وہ قدرت رکھتا ہے، اور قرآن میں بار بار اللہ تعالیٰ کے عذاب، عقاب اور انتقام کا بھی ذکر آیا ہے تا کہ آدمی اس سے خوف کھائے اور اپنا قدم شرعی حدود سے باہر نہ نکالے، بعض جگہوں پر پچھلی قوموں کی

ہلاکت و تباہی کی مثالیں بھی بیان کی گئی ہیں تا کہ ان سے لوگ عبرت پکڑیں، سزا و عذاب سے متعلق قرآنی آیات کو مختلف عنوانات کے تحت بیان کیا جاتا ہے تا کہ ان سے جزا و سزا کا تصور پوری طرح واضح ہو جائے۔

نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی

نیکی نیکی ہے اور بدی بدی ہے، نیکی سے آدمی کی روحانیت، اخلاق اور عمر میں اضافہ ہوتا ہے اور معاشرہ میں مثبت قدریں فروغ پاتی ہیں اور نیکی کرنے والا دنیا و آخرت میں اچھے اجر کا مستحق قرار پاتا ہے، جبکہ بدی سے آدمی کے اخلاق خراب ہوتے ہیں اور اس سے معاشرہ میں منفی اقدار فروغ پاتی ہیں، خود بدی کرنے والے کا انجام برا ہوتا ہے، غرض کہ نیکی اور بدی دونوں کا مرتبہ ایک اور برابر نہیں ہو سکتا، اسی طرح نیکی کرنے والے اور بدی کے مرتکب کو ایک مقام پر فائز نہیں کیا جا سکتا، یہ فرق دنیا میں عام معیار کے مطابق بھی ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اَمۡ حَسِبَ الَّذِيۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَهُمۡ كَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحۡيَاهُمۡ وَمَمَاتُهُمۡ، سَآءَ مَا يَحۡكُمُوۡنَ“ کیا وہ لوگ جنہوں نے برائیوں کا ارتکاب کیا ہے یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ ہم انہیں اور ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو ایک جیسا کر دیں گے کہ ان کا جینا اور مرنا یکساں ہو جائے، بہت برے حکم ہیں جو یہ لگاتے ہیں۔

کوئی شخص برائیوں کا ارتکاب کرے اور یہ گمان رکھے کہ وہ اچھے اجر کا مستحق ہوگا تو یہ اس کی خام خیالی ہے، برائی کا بہر حال برا بدلہ دیا جائے گا، اسی طرح کوئی شخص برے کام کو معمولی اور کمتر سمجھ کر انجام دے کہ اس سے اس کے ایمان اور نیکی پر کچھ اثر نہ پڑے گا اور وہ کسی قسم کی گرفت میں نہ آئے گا تو یہ بھی ناسمجھی پر مبنی ہے، صحیح بات یہ ہے کہ

اللہ تعالیٰ کم سے کم تر عمل کا بدلہ دے گا اگر وہ اچھا ہو تو اچھا بدلہ ہوگا، اگر وہ برا ہو تو برا بدلہ ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”وَالَّذِيْنَ كَسَبُوْا السَّيِّـٰاتِ جَزَآءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَالَهُمْ مِنَ اللّٰهِ مِنْ عَاصِمٍ“ اور جن لوگوں نے برائیاں کمائیں ان کی برائی جیسی ہے ویسا ہی وہ بدلہ پائیں گے، ذلت ان پر مسلط ہوگی کوئی اللہ تعالیٰ سے ان کو بچانے والا نہ ہوگا۔

ایسی نازک حالت میں ہم گناہگاروں کا کیا ہوگا؟ قرآن کریم نے بے شمار جگہ عذاب جہنم سے ڈرایا ہے اور اس کی منظر کشی کی ہے جس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں، بس دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل صالح کی توفیق عطا فرمائے اور گناہوں کو معاف فرمائے نیک اور خوش بخت بندوں میں شمار فرما کر محض اپنے فضل وکرم سے ہماری مغفرت فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

☆☆☆

دنیا میں عذاب

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِيَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ”فَكُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِهٖ فَمِنْهُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَيْهِ حَاصِبًا وَمِنْهُمْ مَّنْ اَخَذَتْهُ الصَّيْحَةُ وَمِنْهُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِهِ الْاَرْضَ وَمِنْهُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا، وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ“ ؕ وَقَالَ تَعَالٰى ”وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّى لَّجَآءَ هُمُ الْعَذَابُ“ ؕ وَقَالَ تَعَالٰى ”اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ، اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ“ ؕ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم.

زندگی انسان کی اک دم کے سوا کچھ بھی نہیں
دم ہوا کی موج ہے، رم کے ہوا کچھ بھی نہیں

بزرگان محترم اور نو جوانان اسلام! ہم سب کا عقیدہ ہے کہ انسان کے ہر کام کا بدلہ اس کو دیا جائے گا، اگر اچھے کام کرے گا تو اچھا بدلہ ہوگا اور اگر برے کام کرے گا تو برا بدلہ دیا جائے گا، عام طور پر انسان گناہ اور برائی کرتا ہے اور یہ سوچ کر چپ ہو جاتا ہے کہ اس کا عذاب مرنے کے بعد دیا جائے گا تو مرنے سے پہلے ہم توبہ واستغفار کرلیں گے، پھر اس گناہ سے وہ غافل ہو جاتا ہے، لیکن برائی کا بدلہ صرف آخرت میں ہی نہیں دیا جائے گا جیسا کہ عام طور پر سمجھا جاتا ہے بلکہ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اس سلسلہ میں پچھلی قوموں کی تاریخ بہترین مثالیں ہیں، اللہ تعالیٰ نے مختلف قوموں کو مختلف طریقے سے ہلاک و برباد کیا، قرآن میں اس بارے میں کافی تفصیلات موجود ہیں، مثال کے طور پر قوم نوح کو سیلاب، قوم لوط کو پتھروں کی بارش، عاد وثمود کو طوفانی ہوا و بارش اور فرعون کو غرق کے ذریعہ اس دنیا سے ان کا وجود نیست و نابود کردا گیا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَکُلًّا اَخَذْنَا بِذَنْبِہٖ فَمِنْھُمْ مَّنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْہِ حَاصِبًا وَمِنْھُمْ مَّنْ اَخَذَتْہُ الصَّیْحَۃُ وَمِنْھُمْ مَنْ خَسَفْنَا بِہِ الْاَرْضَ وَمِنْھُمْ مَنْ اَغْرَقْنَا، وَمَا کَانَ اللّٰہُ لِیَظْلِمَھُمْ وَلٰکِنْ کَانُوْا اَنْفُسَھُمْ یَظْلِمُوْنَ“ آخرکار ہر ایک کو ہم نے اس کے گناہ میں پکڑا پھر ان میں سے کسی پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا اور کسی کو غرق کردیا، اللہ ان پر ظلم کرنے والا نہ تھا مگر وہ خود ہی اپنے او پر ظلم کر رہے تھے۔

ان قوموں کو عذاب دیا گیا اور آخرت میں بھی ان کے لئے دردناک عذاب ہے، ان کے واقعات قرآن میں وارد ہیں تاکہ ان سے لوگ عبرت ونصیحت پکڑیں، دوسری صورت میں وہ بھی اسی قسم کے عذاب کا شکار ہوسکتے ہیں۔

دنیا میں انفرادی طور پر بھی عذاب لاحق ہوتا ہے، موت، مرض، حادثہ یا کوئی مصیبت بسا اوقات سزا کے طور پر ہوتی ہے، جس سے خود اس کی اصلاح اور دوسرے کے لئے عبرت مقصود ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اَوَلَا یَرَوْنَ اَنَّھُمْ یُفْتَنُوْنَ فِیْ کُلِّ عَامٍ مَّرَّۃً اَوْ مَرَّتَیْنِ ثُمَّ لَا یَتُوْبُوْنَ وَلَا ھُمْ یَذَّکَّرُوْنَ“ کیا یہ لوگ کہ ہر سال ایک دو مرتبہ یہ آزمائش میں ڈالے جاتے ہیں مگر اس پر بھی نہ توبہ کرتے ہیں نہ کوئی سبق لیتے ہیں۔

دنیا میں عذاب کے سلسلہ میں قرآنی آیات سے اور جو نکات مستنبط ہوتے ہیں آگے ان کو عرض کرتا ہوں۔

عذاب سے تحفظ نہیں

اللہ تعالیٰ مشرکوں، کافروں اور گناہگاروں کو دنیا میں بھی عذاب چکھائے گا، یہ اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے، لیکن اس کے باوجود جو لوگ یہاں پر خوش نظر آتے ہیں اور انہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہے ان کی زندگی پُرامن اور مطمئن گزر رہی ہے اور وہ دنیا میں خوب مستی کر رہے ہیں تو وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ انہیں عذاب نہ آئے گا، عذاب سے تحفظ نہیں ہے، کسی وقت اور کسی صورت میں بھی آسکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ أَتَوْا وَیُحِبُّوْنَ اَنْ یُحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ، وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ“ تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں کی تعریف انہیں حاصل ہو جو فی الواقع انہوں نے نہیں کئے ہیں، حقیقت میں ان کے لئے دردناک سزا تیار ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا ”قُلْ ھُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓی اَنْ یَّبْعَثَ عَلَیْکُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِکُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِکُمْ اَوْ

یَلْبِسَکُمْ شِیَعًا وَیُذِیْقَ بَعْضَکُمْ بَأْسَ بَعْضٍ" کہو وہ (اللہ) اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب اوپر سے نازل کردے یا تمہارے قدموں کے نیچے سے برپا کردے یا تمہیں گروہوں میں تقسیم کر کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کی طاقت کا مزہ چکھادے۔

اگر مقررہ وقت نہ ہوتو عذاب آ جائے

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے، زندگی اور موت کے لئے بھی ایک وقت مقرر ہے، کوئی اپنے وقت سے پہلے پیدا ہوسکتا ہے نہ وقت سے پہلے وہ مرسکتا ہے، موت وحیات گرچہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے لیکن اس نے اسے کچھ اصول کا پابند کردیا ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو ہر وقت بندوں کی گرفت ہوتی رہتی اور چلتے پھرتے لوگ عذاب الٰہی کا شکار ہوتے رہتے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَیَسْتَعْجِلُوْنَکَ بِالْعَذَابِ وَلَوْلَآ اَجَلٌ مُّسَمًّی لَّجَآءَ هُمُ الْعَذَابُ" وہ لوگ تم سے عذاب کے بارے میں جلدی مچاتے ہیں اگر ایک مقررہ وقت نہ ہوتا تو عذاب ان پر آ چکا ہوتا۔

اللہ تعالیٰ نے نہ صرف موت وحیات کے لئے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے بلکہ اکثر حالات میں وہ بندوں کو مہلت دیتا رہتا ہے، ان کی خطاؤں کو نظر انداز کر دیتا ہے، انہیں معاف کر دیتا ہے یا آخرت کے لئے ٹال دیتا ہے، اگر فوری مواخذہ ہونے لگے تو اس کی گرفت سے کوئی نہیں بچ سکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ یُؤَاخِذُهُمْ بِمَا کَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ، بَلْ لَّهُمْ مَوْعِدٌ لَّنْ یَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا" اور تمہارا رب بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے، ورنہ اگر وہ لوگوں کے گناہوں کا مواخذہ کرے تو بہت جلد عذاب بھیج دے، حقیقت میں ان کے لئے ایک دن عذاب کا مقرر ہے جس سے بچ کر بھاگ نکلنے کا

کوئی راہ نہ پائیں گے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے "وَلَوْ یُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا کَسَبُوْا مَا تَرَکَ عَلٰی ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰکِنْ یُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی" اگر اللہ لوگوں کے گناہوں کا مواخذہ کرنے لگتا تو زمین پر کسی متنفس کو جیتا نہ چھوڑتا، مگر وہ انہیں ایک مقرر وقت تک کے لئے مہلت دے رہا ہے۔

مہلت ازیاد گناہ کے لئے ہے

اللہ تعالیٰ بندہ کو مہلت دیتا ہی کہ وہ اپنی صلاح کر لے، کفر اور گناہوں سے توبہ واستغفار کرلے لیکن اگر وہ اصلاحِ حال کے لئے تیار نہ ہوا اور اپنی روش پر قائم رہے تو بسا اوقات ازیاد گناہ کے لئے بھی مہلت دے دی جاتی ہے تا کہ اس پر حجت پوری ہو جائے اور اس کے لئے کسی قسم کا عذر نہ رہے، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اَنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ خَیْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ، اِنَّمَا نُمْلِیْ لَهُمْ لِیَزْدَادُوْا اِثْمًا وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ" یہ ڈھیل جو ہم انہیں دئے جاتے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں ہم تو انہیں اس لئے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب بار گناہ سمیٹ لیں پھر ان کے لئے سخت ذلیل کرنے والی سزا ہے۔

بسا اوقات آدمی اپنی درازی عمر اور خوشحال زندگی سے یہ رائے قائم کر لیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے خوش ہے اور اس پر کوئی عذاب آنے والا نہیں، تو ایسے شخص کو معلوم ہونا چاہئے کہ طول عمر عذاب سے چٹکارے کا باعث نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "یَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ یُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ یُّعَمَّرَ، وَاللّٰهُ بَصِیْرٌ بِمَا یَعْمَلُوْنَ" ان میں سے ہر ایک شخص یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس جئے حالانکہ لمبی عمر بہرحال اسے عذاب سے دور نہیں پھینک سکتی، جیسے کچھ اعمال یہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے۔ ایک دوسری جگہ

ارشاد ہے ”وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَرِئْيًا“ حالانکہ ان سے پہلے ہم کتنی ہی ایسی قوموں کو ہلاک کر چکے ہیں جوان سے زیادہ سروسامان رکھتی تھیں اور ظاہری شان وشوکت میں ان سے بڑھی ہوئی تھیں۔

خوشحالی بھی عذاب کی ایک صورت بن سکتی ہے

اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو کن کن نوعیّتوں سے عذاب میں مبتلا کرتا ہے اس کا اندازہ لگانا ممکن نہیں ہے، عام طور پر یہ سمجھا جاتا ہے کہ پریشانی، تکلف اور جان ومال کا نقصان عذاب کی صورتیں ہیں، لیکن اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کبھی بندوں کو نواز کر عذاب میں مبتلا کرتا ہے، اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ آدمی کروڑوں کا مالک ہوتے ہوئے بھی اطمینان خاطر سے محروم رہتا ہے دوسری صورت یہ ہے کہ اسباب دنیا اس کے لئے آخرت میں ہلاکت کا سبب بنتے ہیں، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ“ ان کے مال ودولت اور ان کی کثرت اولاد کو دیکھ کر دھوکہ نہ کھاؤ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہیں چیزوں کے ذریعہ سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق کی حالت میں دیں۔

آخرت کا عذاب

یہ بات مسلم ہے کہ جزاوسزا کا الٰہی نظام دنیا میں بھی جاری ہے اور اچھے لوگوں کو اچھا بدلہ دیا جارہا ہے اور بروں کو برا، لیکن یہاں جو کچھ ہے وہ اللہ کی طرف سے اضافی حیثیت سے ہے، بندوں کے اعمال کا پورا پورا بدلہ آخرت ہی میں ملے گا،

وہاں عمل صالح کا بھی پورا بدلہ دیا جائے گا اور عمل سوء یعنی برے اعمال کا بھی پورا بدلہ دیا جائے گا، جس طرح آخرت میں اچھے اجر پر ملنے والی نعمتوں کا تصور اس دنیا میں نہیں کیا جاسکتا اسی طرح وہاں کی سزا کی سختی کا تصور بھی اس دنیا میں ممکن نہیں ہے، قرآن میں اس بارے میں مختلف جگہوں پر تفصیلات بیان کی گئی ہیں، یاددہانی کے لئے مختصر بیان کیا جاتا ہے۔

اس دنیا میں آدمی کسی معمولی مصیبت میں مبتلا ہوتو اس کے خویش واقارب مدد کے لئے دوڑ پڑتے ہیں، اس سے اپنی ہمدردی جتاتے ہیں، لیکن آخرت میں کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، وہاں ایک دوسرے کو دیکھ کر لوگ بھاگیں گے، وہاں ایسا نفسی نفسی کا عالم ہوگا کہ باپ بیٹے کو پوچھے گا نہ ماں بیٹی کو اور نہ بھائی بھائی کو اور نہ دوست دوست کو، ہر ایک دوسرے سے بیزار ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ اَخِيْهِ، وَاُمِّهٖ وَاَبِيْهِ، وَصَاحِبَتِهٖ وَبَنِيْهِ، لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَاْنٌ يُّغْنِيْهِ“ اس روز آدمی اپنے بھائی اور اپنی ماں اور اپنے باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے بھاگے گا ان میں سے ہر شخص پر اس دن ایسا وقت آن پڑے گا کہ اسے اپنے سوا کسی کا ہوش نہ ہوگا۔

وہاں کوئی فدیہ قبول نہ ہوگا

آخرت میں نہ صرف کوئی کام نہیں آئے گا بلکہ مال ودولت بھی کچھ کام نہ دے گی انتہائی ذلت ورسوائی کے ساتھ وہاں عذاب جھیلنا ہوگا، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ، اُولٰٓئِكَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ“ یقین رکھو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں جان دی

ان میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لئے روئے زمین بھر کر بھی سونا فدیہ میں دے تو اسے قبول نہ کیا جائے گا، ایسے لوگوں کے لئے دردناک سزا تیار ہے اور وہ اپنا مددگار نہ پائیں گے۔

آخرت میں عذاب کی نوعیت

قرآن میں عذاب آخرت کے تعلق سے عذابِ الیم، عذابِ مہین، عذابِ عظیم، عذابِ حریق، عَذَابٌ غَلِیْظٌ اور عَذَابٌ شَدِیْدٌ جیسی صفات مذکورہ ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ وہاں سخت ترین عذاب ہے اور جو اس میں مبتلا ہوگا وہ بڑا بد نصیب اور ذلیل ہوگا وہاں عذاب کے مختلف طریقے ایجاد کئے جائیں گے، تڑپا تڑپا کر عذاب دیا جائے گا، وہاں موت آئے گی نہ جینا آسان ہوگا، وہاں بار بار اور ہر جہت سے عذاب ہوگا اور اس میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِیْهِمْ نَارًا کُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَیْرَهَا لِیَذُوْقُوا الْعَذَابَ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَزِیْزًا حَکِیْمًا“ جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا ہے انہیں بالیقین ہم آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال جل جائے گی تو اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں، اللہ بڑی قدرت والا اور حکمت والا ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”مِنْ وَّرَآئِهٖ جَهَنَّمُ وَیُسْقٰی مِنْ مَّآءٍ صَدِیْدٍ، یَتَجَرَّعُهٗ وَلَا یَکَادُ یُسِیْغُهٗ وَیَاْتِیْهِ الْمَوْتُ مِنْ کُلِّ مَکَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَیِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِیْظٌ“ پھر اس کے بعد جہنم ہے وہاں اسے کچ لہو کا سا پانی دیا جائے گا جسے وہ زبردستی حلق سے اتارنے کی کوشش کرے گا اور مشکل ہی سے اتار سکے گا، موت ہر طرف سے اس پر چھائی رہے گی مگر وہ مرنے نہ پائے گا اور

آگے ایک سخت عذاب اس کی جان کا لاگو رہے گا۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اشْتَرَوُا الْحَیٰوةَ الدُّنْیَا بِالْاٰخِرَةِ فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ“ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کی زندگی کے بدلے دنیا خریدی تھی تو ان کے لئے عذاب میں کسی قسم کی تخفیف نہ کی جائے گی اور نہ ان کا کوئی مددگار رہوگا۔

عذاب جہنم کی چند اور شکلیں

جہنم ایک سخت تکلیف اور پریشانی کی جگہ ہے وہاں دردناک شکلوں میں عذاب ہوگا، قرآن میں مختلف جگہوں پر اس کی دردناکیوں کی تصویر کشی کی گئی ہے، مثال کے طور پر بیان کیا گیا ہے کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے جسم مختلف قسموں سے داغے جائیں گے اس میں کھولتا ہوا پانی پینے کو دیا جائے گا اور کھانے کے لئے کانٹے دار چیزیں ہوں گی، وہاں زنجیروں سے آدمی جکڑا ہوا ہوگا، غرض کہ وہاں تکلیف ہی تکلیف ہوگی، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ”یَوْمَ یُحْمٰی عَلَیْهَا فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُکْوٰی بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ“ ایک دن اس (سونے وچاندی وغیرہ کی وہ زکوۃ نہ نکالنے) پر جہنم دہکائی جائے گی اور پھر اسی سے ان لوگوں کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پیٹھوں کو داغا جائے گا۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ”فِیْ سَمُوْمٍ وَّحَمِیْمٍ وَّظِلٍّ مِّنْ یَّحْمُوْمٍ لَّا بَارِدٍ وَّلَا کَرِیْمٍ...... لَاٰکِلُوْنَ مِنْ شَجَرٍ مِّنْ زَقُّوْمٍ فَمَالِئُوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ فَشَارِبُوْنَ عَلَیْهِ مِنَ الْحَمِیْمِ فَشَارِبُوْنَ شُرْبَ الْهِیْمِ“ وہ لوکی لپیٹ اور کھولتے ہوئے پانی اور کالے دھوئیں کے سائے میں ہوں گے جو نہ ٹھنڈا ہوگا نہ آرام دہ،......تم زقوم کے درخت کی غذا کھانے والے ہو اسی سے تم پیٹ بھرو گے

اوراوپر سے کھولتا ہوا پانی تو نس لگے ہوئے ہونٹ کی طرح ہو گے۔ایک جگہ اورارشاد ہے ”خُذُوْہُ فَغُلُّوْہُ ثُمَّ الْجَحِیْمَ صَلُّوْہُ ثُمَّ فِیْ سِلْسِلَۃٍ ذَرْعُھَا سَبْعُوْنَ ذِرَاعًا فَاسْلُکُوْہُ،..... فَلَیْسَ لَہُ الْیَوْمَ ھٰھُنَا حَمِیْمٌ وَلاَ طَعَامٌ اِلَّا مِنْ غِسْلِیْنٍ“ پکڑو اسے اوراس کی گردن میں طوق ڈال دو پھرا سے جہنم میں جھونک دو، ......پھراس کو ستّر ہاتھ لمبی زنجیروں میں جکڑ دو،لہٰذا آج نہ یہاں اس کا کوئی غم خوار ہے اور نہ زخموں کے دھوون کے سوا اس کے لئے کوئی کھانا۔

عذابِ مسلسل

آخرت کی زندگی کے بارے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ وہ کوئی سو پچاس سال کی زندگی نہ ہوگی بلکہ ہمیشگی کی زندگی ہوگی، جنت والے جنت میں ہمیشہ رہیں گےاور جہنم والے جہنم میں ہمیشہ جھلتے رہیں گے، وہاں نہ موت آئے گی اور نہ فرار کی کوئی صورت ہوگی، وہاں عذاب وتکلیف کا ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ ہوگا اور اس میں گناہگار بندہ ابدالاباد تک پڑا رہے گا،قرآن میں اس بارے میں بار بار حوالہ دیا گیا ہے کہ جنتی جنت میں ہمیشہ رہیں گے اور دوزخی دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، لہٰذا انسان کواس چند روزہ دنیا کی زندگی کی خاطر آخرت کو برباد نہ کرنا چاہئے اور وہاں کے لئے کچھ سامان کر لینا چاہئے کہ جس سے وہ عذاب جہنم سے بچ سکے، اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں ہر طرح عذابات سے بچائے اور آخرت کے سخت ترین دن اپنے عرش کا سایہ عطا کرتے ہوئے جنت نصیب فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن.

☆☆☆

نصرتِ الٰہی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلاَمُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ”بَلیٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَیَأْتُوْکُمْ مِنْ فَوْرِھِمْ ھٰذَا یُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَۃِ آلاَفٍ مِّنَ الْمَلٰئِکَۃِ مُسَوِّمِیْنَ“ ۝ وَقَالَ تَعَالیٰ ”بَلیٰ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لاَ یَضُرُّکُمْ کَیْدُھُمْ شَیْئاً“ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

بزرگان محترم اورنوجوانان اسلام! آج کل مسلمان ہر طرف سے اعداء کے نرغہ اور طرح طرح کے مصائب سے پریشان ہوکر قسم قسم کی تدبیریں اس بلاء سے نکلنے کے لئے استعمال کر رہے ہیں، لیکن افسوس کہ ان تدبیروں میں بار بار کی ناکامی

ونامرادی کے باوجود وہ نہیں آتے تو صرف اس تدبیر کی طرف نہیں آتے جو ان کی سب کامیابیوں کی کفیل اور تجربہ سے صحیح ویقینی ثابت ہو چکی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنے تعلق کو صحیح اور مضبوط کرنا اس کے رسول ﷺ کی بتلائی ہوئی تدبیروں پر عمل کرنا۔ ؎

نہ ہرگز ان پہ غالب کسب مال وجاہ سے ہوں گے
نہ جب تک حملہ آور ان پہ دینی راہ سے ہوں گے
نہ ہرگز کامران سعی گہہ و بے گاہ سے ہوں گے
نہ جب تک مل کے سب وابستہ حبل اللہ سے ہوں گے

اس کا یہ مطلب نہیں کہ رفع مصائب کے لئے اپنی قوت اور دشمنوں سے حفاظت کی ظاہری تدبیریں بے کار وفضول ہیں، کیوں کہ تعلیمات قرآن وحدیث میں خود ان مادی تدبیروں کا بھی اہتمام موجود ہے بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان مادی تدبیروں میں تو تمہارے دشمن تم سے کہیں زیادہ اور آگے ہیں اور جب تک تم سامان جمع کر کے ان کے درجہ تک پہنچو گے وہ اس سے بہت آگے پہنچ چکے ہوں گے، اس لئے صرف ظاہری تدابیر اور مادی قوت کی فاہمی سے مسلمان کسی وقت بھی ان سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے، مسلمانوں کی وہ مخصوص قوت جس کا کسی دوسری قوم کے پاس جواب نہیں، ان کا وہ میگزین جس کے سامنے ساری دنیا کی طاقتیں سرنگوں ہیں اور جس نے ان کے قلت عدد اور قلت سامان کے باوجود تاریخ اسلام کے ہر دور میں ان کو دوسروں پر ہمیشہ فتح مند اور سربلند کیا، وہ صرف ان کا تعلق مع اللہ اور وہ روحانی رشتہ ہے جو ان کو ساری قوتوں کے خالق ومالک کے ساتھ حاصل ہے، جس کے لازمی نتیجہ میں امداد غیبی، نصرت الٰہی، فرشتوں کی امداد، دوسری قوموں پر رعب وغیرہ

ہر قدم پر ان کے ساتھ ہوتے ہیں، مگر یہ ظاہر ہے کہ یہ رشتہ وتعلق صرف اطاعت اور فرمانبرداری سے حاصل ہوسکتا ہے، نافرمانی کے ساتھ باقی نہیں رہتا۔

اللہ تعالیٰ کی مدد کی مثال

غزوۂ بدر میں جو فرشتوں کا لشکر مسلمانوں کی امداد کے لئے اتر آیا تھا اس زمانہ کی خصوصیت کو اس میں دخل نہ تھا، بلکہ حسب تصریح قرآنی اس کا مدار اطاعتِ خداوندی پر اور اس میں بھی خصوصاً صبر، تقویٰ کے جوہروں پر تھا جو اس میدان کے سپاہیوں کو حاصل تھے، اس مضمون کو قرآن کریم نے اس آیت میں بالفاظ شرط ظاہر کیا ہے "بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَأْتُوْكُمْ مِنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ آلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ" بے شک اگر تم صبر وتقویٰ اختیار کرو اور کفار یکبارگی تم پر آ پڑیں تو تمہارا پروردگار پانچ ہزار فرشتوں سے تمہاری امداد فرمائے گا۔

مسلمان اگر آج بھی حق تعالیٰ کے ساتھ اپنا تعلق اطاعت اسی طرح مستحکم کرلیں اور صبر وتقویٰ کے اوصاف پیدا کرلیں تو اس کے فرشتے آج بھی زندہ وموجود اور نصرتِ مسلمین کے لئے تیار ہیں۔ ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار اب بھی

اسی مضمون کو قرآن کریم کی دوسری آیت میں بالفاظ ذیل ارشاد فرمایا ہے "بَلٰىٓ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا" بے شک اگر صبر وتقویٰ اختیار کرلو تو تمہیں دشمن کا کیا کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔ یہ مسئلہ مسلمانوں کی فتح ونصرت کا سب سے بڑا سبب ان کا تعلق مع اللہ اور نصرت خداوندی ہے، صرف نظری اور فکری

نہیں بلکہ بار بار کے پیہم تجربوں نے اس کو ایسا بدیہی کر دیا تھا کہ جو مسلمان کسی سبب سے عملی کوتاہیوں میں مبتلا بھی تھے وہ بھی علمی اور فکری درجہ میں اس پر یقین رکھتے تھے کہ ہماری فلاح وکامیابی صرف اطاعت خداوندی اور تعلیمات قرآن کے ساتھ وابستہ ہے، اسلامی فرمانرواؤں میں سب سے مجرم اور ظالم حجاج بن یوسف ثقفی مشہور ہے، اس کا ایک فرمان نمونہ کے لئے دیکھئے!

محمد بن قاسم فاتح سندھ نے جب دریائے سندھ کو عبور کرلیا اور راجہ داہر کو زبردست ہاتھیوں کی فوج سے مقابلہ ٹھن گیا تو حجاج بن یوسف ثقفی (جو عراق کے وائسرائے کی حیثیت رکھتا تھا) کا خط محمد بن قاسم کے نام بمضمون ذیل پہونچا۔

حجاج بن یوسف کا خط

''پنج وقتہ نماز پڑھنے میں سستی نہ ہو، تکبیر وقرأت، قیام وقعود اور رکوع وسجود میں خدائے تعالیٰ کے روبرو تضرع وزاری کیا کرو، زبان پر ہر وقت ذکر الٰہی جاری رکھو، کسی شخص کو شوکت وقوت خدائے تعالیٰ کے بغیر میسر نہیں، اگر تم خدا تعالیٰ کے فضل وکرم پر بھروسہ رکھو گے تو یقیناً مظفر ومنصور ہو گے''۔ پھر راجہ داہر کے مارے جانے کا حال محمد بن قاسم نے حجاج بن یوسف کو لکھا تو قاصد حجاج کی طرف سے یہ خط لے کر آیا ''تمہارا اہتمام وانتظام اور ہر ایک کام شرع کے موافق ہے، مگر ہر خاص وعام کو امان دینے اور دوست دشمن میں تمیز نہ کرنے سے ایسا نہ ہو کہ کام بگڑ جائے، جو لوگ بزرگ اور شریف ہوں ان کو ضرور امان دو، لیکن شریر اور بدمعاش کو دیکھ بھال کر آزاد کیا کرو، اپنے عہد و پیمان کا ہمیشہ لحاظ رکھو اور امن پسند رعایا کی اشتمالت کرو''۔

یہ کسی حجرہ نشین ملاّ کی تلقین یا کسی خانقاہ کی تعلیم نہیں، ایک رعب ودبدبہ والے بااختیار امیر (وائسرائے) کا فرمان ہے اور امیر بھی وہ جو کوئی خلفائے راشدین میں

سے نہیں، صلحاء ومتقین میں سے نہیں، سب سے زیادہ بدنام امیر ہے، مگر خدا ترسی سے نہ سہی دنیا طلبی اور حکومت وسلطنت کی خواہش ہی کے سبب سہی، اتنی بات پر وہ بھی کامل یقین رکھتا ہے اور اپنے ماتحت کو فرمان بھیجتا ہے کہ یہ ہماری عبادات نماز، روزہ اور دیگر احکامِ قرینہ کی اطاعت ہے ہماری فتح وظفر کی روح ہے اور ہماری ہر کامیابی دنیوی بھی اس میں مضمر ہے۔

حضرت عمر فاروقؓ کا خط

قریب قریب اسی مضمون کا ایک فرمان حضرت فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد خلافت کے تمام مسلم حکام کے نام جاری فرمایا تھا جس کو امام مالک نے مؤطا میں بالفاظ ذیل روایت کیا ہے ''**ان اھم امرکم عندی الصلوٰۃ فمن ضیعھا فھو لما سواھا اضیع**'' میرے نزدیک تمہارے سب کاموں میں سب سے زیادہ اہم کام نماز ہے جس نے اس کو ضائع کر دیا وہ دوسرے کام کو اور بھی زیادہ ضائع کرے گا۔

یہ حکم بھی کوئی درسگاہی اور خانقاہی تلقین نہیں جس کو کوئی روشن خیال یہ کہہ کر نظر انداز کر دے کہ یہ سیاست سے ناآشنا خلوت نشینوں کے خیالات ہیں بلکہ امت اسلامیہ کے سب سے بڑے موجد سیاست امیر المؤمنین کا فرمان ہے جو طلباء اور عوام کو نہیں بلکہ حکام اور امراء کو بھیجا جاتا ہے کہ وہ خود اس پر عامل ہوں اور دوسروں سے عمل کرائیں۔

اخلاص میں کمی پر تنبیہ

فاتح مصر عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ کو مصر جیسے عظیم الشان شہر کا محاصرہ کئے ہوئے صرف ایک مہینہ گذرا تھا کہ فاروق اعظم کو اتنی تاخیر بھی اسلامی فتوحات کے

دستور پر ناگوار ہوئی اور تاخیرِ فتح کے مرض کی تشخیص اور اس کے علاج کی تجویز یہ فرمائی کہ ”معلوم ہوگئی ہے کہ تمہارے دل میں مصر و قاہرہ کے اموال عظیمہ کی طمع آ گئی ہے اور اخلاص عمل میں کمی آئی، یہی سبب تاخیر فتح کا ہو رہا ہے، جمعہ کے روز نماز جمعہ کے بعد اپنے ان خیالات سے توبہ اور نصرت الٰہی کے لئے دعا کر کے یکبارگی حملہ کرو“ حضرت عمرو بن العاصؓ نے حکم کی تعمیل کی تو اسی روز میدان ہائے زمین اور مصر کا تخت زیر قدم تھا، یہ واقعات ہیں جن سے تاریخ اسلام کے صفحات لبریز ہیں، کہاں تک نقل کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ آج کے مسلمان اپنی کامیابی و فلاح کی دوا کبھی جرمن و اسٹالن کے کارخانوں میں اور کبھی برطانیہ و امریکہ کے ایوانوں میں تلاش کرتے ہیں، لیکن جو اکسیر اعظم ان کے گھر میں موجود اور جس کا استعمال سہل اور ان کے مزاج ملّی کے بالکل موافق اور بار بار کے تجربہ سے اس کا اثر یقینی ہے اس کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ ؎

یک سبد پر نان را بر فرق سر
تو ہمی جوئی لب نان در بدر

الغرض اب تو بار بار کی تجربوں نے ثابت کر دیا کہ نئی روشن خیالی کے ناخن تدبیر اس گتھی کو سلجھانے میں ناکام اور مغربی سیاست کا راستہ مسلمان قوم کے لئے یقیناً ناموافق ثابت ہوا، اب تو یقین ہو جانا چاہئے کہ ان کی فلاح غیروں کی نقالی اور انہیں کی اصطلاح میں آگے بڑھنے میں نہیں بلکہ اب سے ساڑے تیرہ سو برس پہلے کی طرف لوٹ جانے اور صرف اس سیاست کو اختیار کرنے میں ہے جو قرآنی بنیادوں اور اسلامی اخلاق و معاملات اور صبر و تقویٰ پر قائم ہو جس میں صدیق و فاروق کی سیاست کا رنگ ہو، جس کی بلندی و برتری کو آج بھی دنیا کا ہر دانشمند

ماننے کے لئے مجبور ہے خود مسٹر گاندھی نے اس کے اقرار کا اعلان کیا کہ صرف صدیقؓ و فاروقؓ ہی کی سیاست قابل تقلید سیاست ہے، خدا کرے کہ ہم مسلمان جلد اس پر طرف توجہ دیں اور مسلمانوں کی قومی فلاح کے لئے ظاہری تدابیر کے ساتھ اس روحی تدابیر یعنی تعلق مع اللہ کو مضبوط کرنے میں بھی پوری سعی کرنے لگیں تو فلاح و کامیابی ان کے ساتھ ہوگی ورنہ اگر ہم نے اس پر کوئی توجہ نہ دی تو آئندہ موجودہ حالات سے بھی بدتر حالات کا سامنا کرنا ہوگا، اللہ تعالیٰ ہمیں سمجھ عطا فرمائے اور عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ.

☆☆☆

شہید کس کو کہتے ہیں

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" ؕ وَقَالَ تَعَالیٰ "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً" ؕ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ "اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ" اَوْ کَمَا قَالَ عَلَیْہِ السَّلَامَ.

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسم شبیری
کہ فقر خانقاہی ہے فقط اندوہ ودل گیری
تیرے دین وادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالم پیری

بزرگان محترم اور نوجوانان اسلام! شہید اور شہادت دو ایسے لفظ ہیں جن کے معنی تو بہت اونچے ہیں لیکن اکثر ہم لوگ اس کے معنی اور مفہوم کو غلط سمجھتے ہیں ہم یہ سوچتے ہیں کہ راہ خدا میں لڑ کر مرنے والا ہی شہید ہے، جبکہ ایسا نہیں بلکہ راہ حق اور دین اسلام کے لئے دلائل اور دیگر طریقوں سے کوشش کرنے والا اور پھر ضرورت کے وقت تیر وتلوار کے ذریعہ جہاد کرنے والا جب مارا جائے تو اس وقت اسے شہید یعنی گواہی دینے والا کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں "وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ، بَلْ اَحْیَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ" اور نہ کہو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں کہ وہ مردہ ہیں بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم کو ان کی خبر نہیں۔ دوسری آیت میں اس سے بھی زیادہ کہا گیا ہے "وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتاً" اور مت خیال کرو تم ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے۔ پہلی آیت میں تو زبان سے مردہ کہنے سے منع کیا ہے اور دوسری آیت میں تو ان کے مردہ ہونے کے خیال سے بھی روکا گیا ہے۔

مقتول فی سبیل اللہ

"مقتول فی سبیل اللہ" یا بالفاظ دیگر "شہید" کون ہے؟ اور شہید شریعت مطہرہ میں کب کہلایا جائے گا؟ شہید کے معنی اور اس کا صحیح مفہوم سمجھنے میں عوام تو رہے درکنار بلکہ بعض لکھے پڑھے اصحاب بھی غلطی کر جاتے ہیں، عام طور سے لوگ شہید اس کو کہتے ہیں کہ جس کو کسی غیر مسلم نے مارا ہو اور اس کی جان کسی کافر کے حملہ کرنے سے نکلی ہو، اس پر چند شبہات دار ہوتے ہیں اور عام مقتولین سے شہید کی تعین دشوار ہو جاتا ہے، اول یہ کہ اس بناء پر غیر شہید کو شہید ماننا پڑے گا، دوسرے یہ کہ جو در حقیقت شہید ہے اس کو شہید ہونے سے خارج کیا جائے گا۔

شہید کی تعریف

پہلی بات یہ کہ غیر شہید کو شہید ماننا پڑا، اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی مسلمان بغرض ڈاکہ زنی کسی غیر مسلم کے مکان پر گیا اور وہاں مارا گیا اور یہ موت اس کی غیر مسلم کے ہاتھ سے ہوئی تو ایسی صورت میں کیا شریعت مطہرہ اس کو شہید کہے گی، دوسرے یہ کہ کسی مسلمان کو غیر مسلم نے اپنی عورت سے چھیڑ چھاڑ کرتے دیکھ لیا اور غصہ میں آ کر اس نے اس مسلمان کو قتل کر ڈالا تو کیا ایسے مقتول کو بھی کوئی مسلمان ''مقتول فی سبیل اللہ'' یا ''شہید'' کہہ سکے گا، حالانکہ ان دونوں صورتوں میں یہ مسلمان مقتول الکافر ہے لیکن مقتول فی سبیل اللہ نہیں، اور جب وہ مقتول فی سبیل اللہ ہی نہیں تو شہید کس طرح کہلایا جائے گا۔

دوسری صورت یہ کہ شہید ہوتے ہوئے اور صحیح معنوں میں مقتول فی سبیل اللہ کہلاتے ہوئے بھی اس شخص کو صف شہداء سے خارج کہنا لازم آئے گا کیوں کہ سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ بالاتفاق شہید ہیں۔ لیکن مقتول الکافر نہیں کیوں کہ ان کو شہید کرنے والے نہ صرف یہ کہ وہ نام ہی کے مسلمان تھے ان کی نمازیں آج کل کے مسلمانوں سے بدرجہا بہتر اور اچھی تھیں، وہ حج بھی کرتے تھے، روزے بھی رکھتے تھے، غرض یہ کہ تمام ارکانِ اسلام میں اِس زمانہ کے مسلمانوں سے زیادہ پابند تھے، علم وعمل ان مسلمانوں کا اِس زمانہ کے مسلمانوں سے کہیں زیادہ تھا، یہ بات دوسری ہے کہ انہوں نے حکومت وقت کے ہاتھوں اپنے ضمیر وایمان کو فروخت کر دیا اور قتل حسینؓ جیسے شنیع اور بُرے کام کے لئے آمادہ ہو گئے، غور سے دیکھا جائے تو دنیا میں سب سے زیادہ ساحری کی قوتیں اور جادوگری کی طاقتیں حکومت وقت کے پاس موجود ہوتی ہیں، حاکم وقت آنکھ کے اشارے اور جنبش ابرو سے بڑے سے بڑے

عالم اور زبردست سے زبردست زاہد کے علم وزہد کو چھین سکتا ہے، حکومت کی نگاہ پڑ جانا شرط ہے، خوش قسمت ہیں وہ لوگ جن پر حکومت وقت کی نگاہ نہیں پڑتی اور وہ اپنے علم وایمان کی حفاظت کر رہے ہیں۔

شہید ہونے کی دعا کرے

تیسری چیز یہ بھی قابل غور ہے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ یہ دعا کی اور اس کی تعلیم بھی فرمائی ''اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنَا شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ'' اے اللہ ہمیں اپنے راستہ میں شہادت عطا فرما۔

پس اگر شہادت کے معنی یہ ہوں جو عام لوگوں کے ذہن میں ہیں ''مقتول الکافر'' یعنی اپنی موت کسی کافر کے ہاتھ سے ہو تو یہ حقیقت غلبۂ کفر کی دعا ہوتی ہے اور غلبۂ کفر کی دعا کرنا گناہ عظیم بلکہ کفر ہے، پس ان وجوہات کو سامنے رکھتے ہوئے شہید کی یہ تفسیر جو لوگوں نے سمجھ رکھی ہے کس طرح سے درست ہو سکتی ہے، یہ ایک عام غلطی ہے جس میں عام تو کیا خواص بھی مبتلا ہیں بلکہ شہید کی تفسیر علمائے کرام نے اس طرح کی ہے ''اَلشَّھِیْدُ الَّذِیْ یَشْھَدُ بِصِحَّۃِ دِیْنِ اللّٰہِ تَارَۃً بِالْحُجَّۃِ وَالْبَیَانِ وَتَارَۃً بِالسَّیْفِ وَالسِّنَانِ'' شہید وہ شخص ہے جو دین حق کی گواہی دے کبھی یہ گواہی دلائل اور تقریر سے ہوتی ہے اور کبھی نیزہ اور تلوار سے ہوتی ہے۔

عوام کی آسانی اور سمجھنے کے لئے اس کی کچھ تھوڑی سی تفصیل کر دی جائے تو زیادہ مناسب اور بہتر ہے تا کہ عوام اچھی طرح سمجھ لیں اور کچھ شبہ باقی نہ رہے، شہادت مصدر ہے، اس کے معنی گواہی دینا ہے، ''الشہید'' یہ شہادت ہی سے نکلا ہے اور اسی سے مشتق ہے جب کہ شہادت کے معنی گواہی دینا ہیں تو شہید کے معنی ''گواہی دینے والا'' ہوئے، یہی وجہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے کتنی جگہ قرآن مجید میں اپنی صفت

شہید بیان فرمائی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ" خدا گواہ ہے جو تم کام کرتے ہو۔ دوسری جگہ فرمایا "قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ شَهِيْدًا" اور تیسری جگہ فرمایا "كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَمَنْ عِنْدَهٗ عِلْمُ الْكِتَابَ" چوتھی جگہ فرمایا "قُلِ اللّٰهُ شَهِيْدٌ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ وَاُوْحِىَ اِلَىَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ" کہہ دو کہ اللہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن۔

شہادت رسول ﷺ کی صفت ہے

اپنے رسول ﷺ کی صفت بھی اکثر جگہ شہید یعنی دین حق کی گواہی دینے والا بیان فرمائی ہے، چنانچہ ارشاد ہے "وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا" دوسری جگہ "فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَآءِ شَهِيْدًا" یہاں ایک اور بات قابل غور ہے کہ جس طرح شہادت سے متعلق شاہد بھی ہے اور شہید بھی، اسی طرح نصرت بمعنی مددگاری ناصر بھی ہے نصیر بھی ہے، عربی زبان میں یہ وزن فعیل دوام واستمرار یعنی ہمیشگی کے معنی دیتا ہے، یعنی سامع وہ سننے والا جس کی یہ صفت قائم اور پائدار نہ ہو لیکن سمیع وہ ہوگا کہ جس میں یہ صفت دوامی ہو اور باقی رہے، اسی لئے یہ صفت قرآن کریم میں خدا تعالیٰ کے لئے سامع نہیں بلکہ سمیع آیا ہے، شاہد وہ گواہ ہے کہ جس میں یہ صفت دائم ہو اور باقی رہے، لہٰذا جس نے دین حق کے لئے کام کیا اور یہاں تک اس کا حق ادا کیا کہ جان بھی دے دی اور اس کی پرواہ نہ کی تو ایسے شخص کو شریعت مطہرہ میں شہید کہا جائے گا کہ اس نے زبان سے بھی گواہی دی اور جب نیزہ وتلوار کا وقت آیا تو اس میں بھی وہ گواہی دینے سے باز نہ رہا، یہاں تک کہ اس کی روح اس کی گواہی دینے کے لئے پرواز کرگئی، یہ بھی یاد رہے کہ دین

حق کی مسلم کے سامنے ہو یا غیر مسلم کے سامنے دونوں برابر ہیں اور ایسے گواہ کو شہید کہیں گے اور ایسی ہی گواہی کو شہادت کہا جائے گا۔

سیدنا حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دین حق کی گواہی یزید کی شخصی حکومت کے بالمقابل مدینہ طیبہ میں بھی دی اور میدان کربلا کے تپتے ہوئے ریت میں تیر وتلوار کے بالمقابل بھی آپ گواہی دینے سے باز نہ رہے، اس دین حق کی گواہی کی وجہ سے آپ کے تمام کنبہ کی جانیں گئیں، لہٰذا سچی شہادت آپ کو نصیب ہوئی اور حقیقی معنوں میں آپ شہید ہیں۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر کوئی شخص نیک نیتی کے ساتھ زندگی میں ایک بار اللہ تعالیٰ سے شہادت کی سچی دعا کرے تو اگر وہ اپنے بستر پر بھی مرا تو اللہ تعالیٰ اس کو شہادت کا مقام عطا فرماتے ہیں یعنی وہ روز قیامت شہادت کے مقام پر فائز ہوگا۔

دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شہادت کا رتبہ عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن.

☆☆☆

اسلامی نظریہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ''اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلَا یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ. وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْا مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ'' ۔ وَقَالَ تَعَالٰی ''وَکَذٰلِکَ جَعَلْنٰکُمْ اُمَّۃً وَّسَطًا لِّتَکُوْنُوْا شُھَدَآءَ عَلَی النَّاسِ'' ۔ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْمِ.

یہی ہر چیز کی تقویم یہی اصل نمود
گرچہ اسی روح کو فطرت نے رکھا ہے مستور

بزرگانِ محترم اور نوجوانانِ اسلام! اسلام میں جہاں ہر عنوان کے تحت مکمل اور مدلل واقفیت اور طریقۂ تعلیم دی گئی وہیں تجارت اور لین دین جیسی اہم اور روزمرہ میں کام آنے والے پیشہ کے متعلق مکمل اصول وضوابط بیان کئے گئے ہیں۔

اسلام اگر ایک طرف دنیا کے سامانوں اور دولت پیدا کرنے کے قدرتی حریفوں پر تمام بنی نوع انسانی کا مساویانہ حق تسلیم کرتا ہے اور ان ذرائع کو کسی خاص قوم کی اجارہ داری قرار نہیں دیتا، وہاں دوسری طرف وہ اصلاً دولت کے اس تفاوت کو بھی نظر انداز نہیں کرتا جو افراد کے ذاتی قویٰ اور ذاتی جدوجہد کے نتیجہ میں طبعی طور پر پیدا ہو جاتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ انسانی مساوات میں سب سے پہلا اور سب سے مقدم سوال دولت کی تقسیم نہیں بلکہ انسان کی نسلی اور شخصی مساوات کا مسئلہ ہے، کیوں کہ دراصل یہی وہ میدان ہے جس میں ذاتی کش مکش اور سماجی خلیج پیدا ہو کر سب سے زیادہ فتنہ کا راستہ کھول دیتی ہے اور سوسائٹی کے مختلف طبقات ایک دوسرے کے مقابلہ پر رقیبانہ کیمپ کی صورت اختیار کر لیتے ہیں، سو اس کے متعلق پیغمبرِ اسلام ﷺ فرماتے ہیں۔

اے لوگو! خبردار ہو تمہارا رب ایک ہے اور تمہارا باپ بھی ایک تھا اور خبردار ہو کہ عربوں کو عجمیوں پر کوئی فضیلت نہیں اور نہ ہی عجمیوں کو عربوں پر کوئی فضیلت ہے اور نہ کالوں کو گوروں پر کوئی فضیلت نہ گوروں کو کالوں پر، سوائے ایسی ذاتی خوبی کے جس کے ذریعہ کوئی شخص آگے نکل جائے۔

مساوات اسلام کا بنیادی پتھر ہے

یہ نظریہ اسلامی مساوات کا بنیادی پتھر ہے جس میں سب اقوام عالم کو بلا استثناء ایک لیول (Level) پر کھڑا کر کے پھر ان میں انفرادی کوشش اور انفرادی جدوجہد کی بنا پر مسابقت کی روح پیدا کی گئی ہے، اب جو شخص چاہے اپنے ذاتی اوصاف کے زور سے آگے نکل جائے۔

سوال ہوسکتا ہے کہ اسلام کا تمدنی نظریہ بھی ٹھیک اور دولت کے قدرتی وسائل کے متعلق اس کی تعلیم بھی بجا ہے لیکن اس بات کا کیا علاج اگر انفرادی قویٰ اور انفرادی جد وجہد کے نتیجہ میں دولت کا توازن ناگوار صورت اختیار کرلے تو پھر اس توازن کو درست کرنے اور درست رکھنے کے لئے کیا صورت کی جائے، سو اس خطرے کی طرف سے بھی اسلام غافل نہیں ہے، چنانچہ قرآن پاک میں ہے "اَلَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّھَبَ وَالْفِضَّۃَ وَلاَ یُنْفِقُوْنَھَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْھُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْم، ھٰذَا مَا کَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِکُمْ فَذُوْقُوْ مَا کُنْتُمْ تَکْنِزُوْنَ" جو لوگ سونے چاندی کے مالوں کو بند خزانوں کی صورت میں جمع رکھتے ہیں اور انہیں خدا کے مقرر کردہ راستوں میں خرچ نہیں کرتے تو (اے رسول!) تم ایسے لوگوں کو خدا کے دردناک عذاب سے خبردار کردو، (ان کے لئے ان ہی بند خزانوں کو عذاب کا آلہ بنا دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا) اب اپنے خزانوں کا مزہ چکھو جنہیں تم نے صرف اپنی جانوں اور اپنے عزیزوں کے لئے روک رکھا تھا۔

اس سنہری تعلیم کے ذریعہ اسلام نے دولت کو کھلے میدانوں میں لانے اور ایک طرف غریبوں اور مسکینوں کی امید پر بلا واسطہ خرچ کرنے اور دوسری طرف دولت کو تجارتوں اور صنعتوں میں لگا کر عوام کو بلا واسطہ فائدہ پہنچانے کا راستہ کھولا ہے اور اس زبردست انتباہ کے ذریعہ لوگوں کو ہوشیار کیا ہے کہ تم نے اپنے خوانوں کو بند کر کے رکھا اور انہیں ملک وقوم کی بہتری کے لئے خرچ نہ کیا تو بھی بند خزانے تمہارے لئے ایک دردناک عذاب بن جائیں گے اور اس دردناک عذاب میں صرف آخرت کے عذاب ہی کی طرف اشارہ نہیں بلکہ جیسا کہ واقعات نے ثابت کر دیا ہے موجودہ زمانے کی اس ہیبت ناک کش مکش کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں مزدور سرمایہ دار کے خلاف اور مزارع مالک کے خلاف اٹھ کر ان کی زندگی کی شیرینی کو ختم اور ان کے دل ودماغ کے سکون کو برباد کر رہا ہے۔

اسلامی قانونِ وراثت

لیکن اسلام نے اس معاملہ میں صرف اصولی تحریک پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ قومی اور ملکی طاقت کو مناسب رنگ میں سمونے کے لئے ایک موثر مشنری بھی قائم کی ہے اور اس مشنری کو چالو رکھنے کے لئے بہت سے معین احکام صادر فرمائے ہیں، ان احکام میں سے ایک حکم قانون ورثہ سے تعلق رکھتا ہے اور یہ ایک نہایت درجہ حکیمانہ قانون ہے جس کی رو سے ہر مرنے والے مسلمان کا ترکہ صرف ایک بچہ یا صرف نرینہ اولاد یا صرف خالی اولاد کے ہاتھ میں ہی نہیں جاتا بلکہ سارے لڑکوں اور ساری لڑکیوں اور بیوی وخاوند، ماں باپ اور بعض صورتوں میں بھائیوں اور بہنوں اور دوسرے رشتہ داروں میں بھی ایک نہایت مناسب شرح کے ساتھ تقسیم ہو جاتا ہے، اس طرح اسلام نے دولت کی دوڑ میں تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بعض قانونی رکاوٹیں قائم کردی ہیں، ہر نسل کے خاتمہ پر ایک رکاوٹ سامنے آ کر دولت کے اس فرق کو کم کر دیتی ہے جو اس عرصہ میں پیدا ہو چکا ہوتا ہے، اسلام کے اس قانون ورثہ پر تفصیلی نظر ڈالنے سے یہ بات بالکل ظاہر وعیاں ہو جاتی ہے کہ اس قانون کے ذریعہ صرف ورثاء کو ورثہ پہنچانا ہی مدنظر نہیں ہے بلکہ ملکی اور قومی دولت کو سمونا بھی اس کی اغراض میں سے ایک اہم غرض ہے۔

قانون وصیت

قانون ورثہ کے ضمن میں اسلام نے ایک قانون وصیت بھی جاری فرمایا ہے جس کی رو سے ہر مسلمان کو اپنی جائیداد کے ایک تہائی حصہ کے متعلق غیر وارثوں کے حق میں وصیت کرنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے، مثلاً ایک شخص کے پاس تین لاکھ روپئے کا مال ہے تو وہ اس میں سے ایک لاکھ روپئے تک کی ایسے لوگوں یا اداروں

کے حق میں وصیت کرسکتا ہے جو اس کے شرعی وارث نہیں ہیں، یہ نظام بھی ملکی دولت کو سمونے کا ایک مقدس ذریعہ ہے اور ہزاروں نیک دل مسلمانوں نے اس بابرکت نظام سے فائدہ اٹھا کر اپنی جائیداد کے معقول حصے غریبوں کے لئے یا غریبوں کی امداد کرنے والے اداروں کے لئے یا جماعتی اور قومی کاموں کے لئے وقف کئے ہیں اور کررہے ہیں۔

امداد باہمی کا قانون

اسلام کا قانون امداد باہمی یعنی ملکی دولت کو سمونے کا ایک بڑا بھاری ذریعہ ہے اور اسلام نے اس بھاری قانون کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے ایک حصہ جبری ہے اور دوسرا اختیاری، جبری قانون زکوٰۃ کے نظام سے تعلق رکھتا ہے جس کے ذریعہ امیر لوگوں کی دولت پر حالات کے اختلافات کے ساتھ اڑھائی فی صدی سے لے کر دس فیصدی کی شرح تک خاص عطیہ حکومتِ وقت یا نظام قومی کی نگرانی میں غریبوں، مسکینوں اور کم آمدنی والے لوگوں کی امداد کا انتظام کیا جاتا ہے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اس تعلق میں امیر سے مراد امیر کبیر لوگ نہیں ہیں بلکہ ہر وہ شخص جو اپنی فوری ضرورت سے کسی قدر زائد رکھتا ہے اس پر زکوٰۃ عطیہ کمزور لوگوں کی امداد کا راستہ کھولا جاتا ہے اور اس عطیہ کو عائد کرتے ہوئے مقدس پیغمبر اسلام ﷺ نے جو الفاظ سنائے وہ بھی اس کی غرض وغایت کو واضح کررہے ہیں، آپؐ نے فرمایا ''زکوٰۃ کے نظام کا مقصد یہ ہے کہ دولت رکھنے والی لوگوں کی دولت کا ایک حصہ کاٹ کر غریبوں اور کمزور لوگوں کی طرف لوٹایا جائے''۔

اس حدیث میں لوٹایا جانے کے لطیف اور پُر معنی الفاظ اس غرض سے استعمال کئے گئے ہیں تا کہ یہ ظاہر ہو کہ یہ عطیہ غریبوں کو احسان کے طور پر نہیں دیا جاتا جس کی

وجہ سے بے اصول امیروں کو ان پر احسان جتلانے کا موقع پیدا ہو بلکہ ایک لازمی اور قدرتی حق ہے جو خالقِ فطرت نے امیروں کے مال میں غریبوں کا مقرر کر رکھا ہے، کیوں کہ اول تو اصل ملکیت خدا کی ہے جو سب کا آقا اور مالک ہے اور دوسرے حقیقتاً ہر مال کے پیدا ہونے میں لازماً غریبوں اور مزدوروں کا ہاتھ ہوتا ہے، پھر زکوٰۃ کے معنی بھی پاک کرنے اور ترقی دینے کے ہیں کیوں کہ ایک طرف زکوٰۃ کی ادئیگی زکوٰۃ دینے والوں کو اور ان کے اموال کو پاک کرتی ہے اور دوسری طرف زکوٰۃ لینے والوں کی ترقی کا سامان بھی مہیا کرتی ہے۔

امداد اور ہمدردی اعلیٰ درجہ کی نیکی

اس قانونِ امدادِ باہمی کا دوسرا حصہ طوعی (اختیاری) نظام سے تعلق رکھتا ہے، اس نظام کے ذریعہ اسلام نے غریبوں کی مالی امداد کے علاوہ سوسائٹی میں باہمی محبت، ممدردی اور مساوات کو زندہ رکھنے کا دروازہ بھی کھولا ہے، اسلام نے اس شرعی نظام پر انتہائی زور دیا ہے اور غریب بھائیوں کی امداد اور ہمدردی کو ایک نہایت اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دیا ہے اور خود ہمارے آقا ﷺ کا یہ حال تھا کہ غریبوں، مسکینوں اور یتیموں کی امداد میں آپ کا ہاتھ اس تیز آندھی کی طرح چلتا تھا جو کسی رکاوٹ کو خیال میں نہیں لاتی اور آپؐ اکثر یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ جہاں زکوۃ برملا ادا کرو وہاں ذاتی اور انفرادی امداد حتی الوسع خفیہ طریق پر دو تا کہ دینے والے کے دل میں اعلان کا خیال اور لینے والے میں کمتری کا احساس پیدا نہ ہو، غریبوں اور مسکینوں کا یہ طوعی نظام بھی قائم کیا جاتا تا کہ لوگوں کے دلوں میں اخوت ومحبت اور انفرادی ہمدردی کے جذبات کو زندہ رکھا جاسکے لیکن اس کے مقابلہ میں اشتراکیت ان سب جذبات کو مٹا کر انسان کو محض ایک مشین بنانا چاہتی ہے۔

سود کی حرمت کا فلسفہ

اسی تعلق میں اسلام کا قانونِ تجارت اور قانونِ لین دین بھی ملکی دولت کے ناواجب اجتماع کو روکنے کی ایک بھاری مشینری ہے، حق یہ ہے کہ اسلام نے سود کو حرام قرار دے کر دولت کے قلعوں کو برباد کرنے کا ایک بہت بڑا آلہ بتا دیا ہے، سود کے ذریعہ انسان کو اپنی طاقت سے بڑھ کر قرضہ برداشت کرنے کی ناواجب جرأت پیدا ہوتی ہے اور عوام کا روپیہ سمٹ سمٹ کر آہستہ آہستہ امیروں کے خزانوں میں جمع ہونا شروع ہو جاتا ہے اور اگر غور کیا جائے تو دنیا میں زیادہ تر سودی سرمایہ داری کو بھیانک صورت دینے ذمہ دار ہے اور اگر آج سود کا لین دین بند ہو جائے تو ملک کی بڑی بڑی تجارتیں اور صنعتیں چند سرمایہ دار دافراد کے ہاتھ سے نکل کر یا تو سرمایہ والی تجارت اور مشترکہ صنعت کی صورت میں منتقل ہو جائے گی یا اتنی بڑی تجارتیں اور صنعتیں جو ملکی توازن کو خراب کرنے والی ہیں حکومت کے ہاتھ میں چلی جائیں گی اور دونوں طرح دولت کے سمونے کا راستہ کھلے گا اور ظاہر ہے کہ چند خاص تجارتوں اور صنعتوں کے حکومت کے قبضہ میں ہونے سے کوئی حرج لازم نہیں آتا بلکہ اس میں بعض قومی اور ملکی فوائد متوقع ہیں۔

اس کے علاوہ سود کی حرمت سے پرائیویٹ لین دین کے میدان میں بھی امیروں کے لئے غریبوں کے مال پر ڈاکہ ڈالنے اور ان کے خون چوسنے کا موقعہ نہیں رہتا، یہ خیال کہ سود کے بغیر کام نہیں چل سکتا ایک محض نظر کا دھوکہ ہے جو موجودہ ماحول کی وجہ سے پیدا ہوا ہے جبکہ امریکہ اور یورپ کے سرمایہ داروں کی وجہ سے سود کا جال وسیع ہو چکا ہے، ورنہ اس کے بغیر بھی دنیا کی تجارت چلتی تھی اور انشاء اللہ باطل ماحول کے ٹلنے پر پھر پہلے سے بڑھ کر چلے گی۔

مشترکہ سرمائے کو ترجیح

سود کی جگہ اسلام نے قرضہ بصورت رہن اور مشترکہ سرمایہ کے طریق کو ترجیح دی ہے کیوں کہ اس میں دولت کے توازن کو بگاڑنے کے بغیر تجارت کا راستہ کھلتا ہے اور انفرادی ہمدردی کے جذبات کو ٹھیس بھی نہیں لگتی، سود کی حرمت کے ساتھ اسلام نے جوئے کو بھی حرام قرار دیا ہے کیوں کہ جوئے میں دولت کے حصول کو محنت اور ہنرمندی پر مبنی قرار دینے کے بجائے محض اتفاق پر مبنی قرار دیا ہے جو نہ صرف قومی اخلاق کے لئے مہلک ہے بلکہ بسا اوقات ملک میں دولت کی ناواجب تقسیم کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

اوپر والا نظام جس میں ایک طرف ذاتی جائیداد کے حق کو تسلیم کیا گیا ہے اور دوسری طرف ملکی جائیداد کو زیادہ سے زیادہ سمونے اور امیر و غریب کے فرق کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے عام حالات کے لئے مقصود ہے، لیکن اگر کسی ملک میں قحط یا جنگ وغیرہ کی وجہ سے غیر معمولی حالات پیدا ہو جائیں اور خوراک کے ذخیروں میں کمی آ جائے یعنی ملک اور قوم کے ایک دوسرے حصہ کے پاس اس کی اقل ضرورت سے بھی کم ہو یا بالکل ہی نہ ہو اور لوگوں کی جانوں کو خطرہ پیدا ہو جائے تو اس قسم کے خاص حالات میں اسلام حکم دیتا ہے کہ امیروں اور غریبوں کے ذخیروں کو اکٹھا کر کے سب کی ضرورت کے مطابق راشن بندی کر دی جائے۔

چنانچہ حضور ﷺ کے مبارک زمانہ میں کئی موقعوں پر اس قسم کے حالات پیدا ہوئے اور آپ نے ان غیر معمولی حالات پر نہ صرف اس قسم کے استثنائی احکام کی اجازت دی بلکہ اسے پسند فرمایا اور اس کی تاکید کی، حدیث میں ایک صحابیؓ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں نکلے مگر راستہ میں ہمیں خوراک کی سخت کمی پیش آ گئی حتی کہ مجبور ہو کر ہم نے ارادہ کیا کہ خوراک کے لئے اپنی سواری

کی بعض اونٹنیاں ذبح کر دیں اس پر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ سب لوگوں کے خوارک کے ذخیرے اکٹھے کر لئے جائیں اور پھر اپنے اس طرح جمع شدہ ذخیرہ میں سے سب کو حسب ضرورت راشن تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ حضور ﷺ فرماتے تھے کہ قبیلہ اشعر کے لوگوں کا یہ طریق ہے کہ جب کسی سفر میں انہیں خوراک کی کمی آ جاتی تو ما حضر کی حالت میں ہی ان کے اہل وعیال کی خوراک میں کمی آ جاتی تو ایسی حالت میں راشن بندی کر لیا کرتے تھے۔

حقیقی امن کی بنیاد

اس شاندار تعلیم سے ظاہر ہے کہ اگر ایک طرف اسلام نے انفرادیت کو زندہ رکھنے کے لئے ذاتی مال اور ذاتی جائیداد کے اصول کو تسلیم کیا ہے تو دوسری طرف اجتماعیت کو زندہ رکھنے کے لئے غریبوں کی امداد کے انتظام کے علاوہ خاص حالات میں یہ بھی ہدایت فرمائی ہے کہ خوارک کی استثنائی حالت کے زمانہ میں جبکہ اسی سوسائٹی کے ایک حصہ کی حالت کا خطرہ ہو امیروں غریبوں کے ذخیرہ کو جمع کر کے سب میں حسب ضرورت مساویانہ طریق پر تقسیم کرو اور یہی وہ وسطی تعلیم ہے جس سے دنیا میں حقیقی امن کی بنیاد قائم رکھی جاسکتی ہے۔ اسلام نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ معزور لوگوں کی اقل ضروریات کا انتظام حکومت کرے اور اقلی ضروریات میں خوراک، لباس اور مکان شامل ہیں۔

اشتراکیت کے نقصانات

خلاصۂ کلام یہ ہے ہے نمبرا: اشتراکیت کا نظام ایک طرف انفرادی جدوجہد کے جذبہ کو کمزور کر کے کام کے سب سے بڑے فطری محرک کو مٹاتا ہے، نمبر۲: فطرتِ

انسانی کے جذبات، ہمدردی اور مساوات کو تباہ کرتا ہے، نمبر۳: انسان کے دماغی قوی قویٰ کو بے قیمت ٹھہرا کر تنزل کی راہ پر ڈالتا ہے، نمبر۴: انسان کے اقتصادی حالات کو غیر فطری خارجی سہاروں کے ساتھ وابستہ کرتا ہے، نمبر۵: روحانیت کو مٹا کر دہریت اور مادیت کا بیج بوتا ہے، وہیں دوسری طرف اسلام کا نظام اشتراکیت اور سرمایہ داری کے بین بین فطری اور درمیانی راستہ پر گامزن ہوتا ہے انفرادی جائیداد کے اصول کو تسلیم کرنے کے باوجود ملکی اور قومی دولت کو سمونے کے لئے قدرتی وسائل کو سب کے لئے راستہ کھلا رکھتا ہے، انسانی جذبات، ہمدردی اور مساوات کو زندہ رکھتا اور تقویت پہنچاتا ہے اور خالق ومخلوق کے فطری رشتہ کو ملحوظ رکھ کر ترقی دیتا ہے۔

پس اشتراکی اور سرمایہ داری کے انتہائی نظاموں کے مقابلہ پر اسلام کا وسطی نظام بھی اس قابل ہے کہ اس پر دنیا کے تہذیب وتمدن کی بنیادی رکھی جائے اور انشاء اللہ اسلام کی ترقی کے دوسرے دور میں جواب شروع ہو رہا ہے ایسا ہی ہوگا، قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے کیا خوب فرمایا ہے "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" اے مسلمانو! ہم نے تمہیں ایک وسطی امت بنایا ہے (کہ تم دنیا کے مختلف قوموں کے لئے جو افراط وتفریط کی طرف جھکی ہوئی ہیں) خدا کی طرف سے سچے راستے کے گواہ رہو۔

ہم تمام لوگ ایک ہی خدا کے پیدا کئے ہوئے بندے ہیں، انسانیت کی واحد جماعت کے مختلف افراد ہیں، ہم میں تفریق کیسی، اسلام نے برادرانہ پیام وسلام کی تعلیم دی ہے صرف اسی کے ذریعہ اسلام دنیا کے لئے باعثِ نجات اور فلاح ہوسکتا ہے، اسلام بکھرے ہوئے قوانین کو یکجا کر دیتا ہے، بگڑے ہوئے نظام معاشرت کو سدھارتا ہے اور حکومت کے لئے ایک لائحۂ عمل پیش کرتا ہے جن میں صرف بے لوثی

اور بے غرضی پائی جاتی ہے، اگر دنیا کے مقتدر سیاستدان، ماہرین سائنس اور فلاسفہ ایک ساتھ بیٹھ کر عقل سلیم، فلسفہ، سائنس اور جذبات کے مطابق کوئی نیا مذہب قائم کرنا چاہئیں تو ان کے تمام اصول اسلام کے اصولوں سے ملتے جلتے ہوں گے، اسلام کی مذہبی قوانین کی بنیاد بھی دنیا کے بزرگ ترین مصلح محمد مصطفیٰ ﷺ نے ایک طرف تو اجتماعیت پر اور دوسری طرف اخوت ومساوات پر رکھی جو جمہوریت کے زریں اصول ہیں۔

اگر ہم چاہیں تو اسلام کے بنائے گئے ان تمام اصول وضوابط کو مدنظر رکھتے ہوئے تجارت اور دیگر تمام خرید وفروخت سے وابستہ پیشوں میں سود اور دیگر حرام افعال سے بچتے ہوئے تمام کے تمام معاملات کو بحسن خوبی نبھا سکتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے اور سودی وغیر اسلامی تجارت اور معاملات سے بچائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

☆☆☆

اولاد کے حقوق

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلوٰةُ وَالسَّلاَمُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِىَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالىٰ فِىْ الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "وَلاَ تَقْتُلُوْآ اَوْلاَدَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلاَقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْأً كَبِيْرًا" ۝ وَقَالَ تَعَالىٰ "وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتَلَ اَوْلاَدِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ" ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم. "قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ "كُلُّ غُلاَمٍ رَهِيْنَةٍ بِعَقِيْقَتِهٖ تَذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعَهُ وَيُسَمَّى فِيْهِ وَيُحْلَقُ رَاْسِهٖ" اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلاَمَ.

زمانہ لے کر جسے آفتاب کرتا ہے
اُنہیں کی خاک میں پوشیدہ ہے وہ چنگاری

بزرگانِ محترم اورنو جوانانِ اسلام!

اسلام عدل وانصاف پر مبنی ایک مکمل دین ہے، حقوق کے سلسلے میں اس نے جو تصور پیش کیا ہے وہ بہت ہی واضح اور انصاف پر مبنی ہے، اس نے ہر فرد، جماعت، خاندان اور قبیلے کے حقوق کا تعین منصفانہ طور پر کیا ہے، دوسرے مذاہب کے بر خلاف اس نے ماں باپ پر اولاد کے حقوق ویسے ہی فرض کئے جیسے اولاد پر ماں باپ کے، ذیل میں اولاد کے انہیں حقوق کا ذکر قدرے تفصیل سے عرض کرتا ہوں۔

زندگی

اولاد کا سب سے پہلا حق اپنے والدین پر یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اولاد کی پیدائش کا ذریعہ بنایا ہے تو انہیں چاہئے کہ وہ اس کی زندگی کا نقش بگاڑنے کے بجائے اس کی حیات کی تکمیل، اس کی نشو ونما اور تعمیر وترقی کے وہ تمام ذرائع مہیا کریں جو ان کی طاقت میں ہے، اسی مقصد کے پیشِ نظر اسلام نے اولاد کشی کے تمام جاہلانہ اور سفاکانہ مراسم کو ختم کیا، خواہ ان سے دیوتاؤں کی خوشنودی مقصود ہو یا فقر وفاقہ کا اندیشہ، یا شرم وعار کا باعث، چنانچہ ان لوگوں کی سخت مذمت کی گئی جو دیوتاؤں کی خوشنودی کے لئے اپنی اولاد کو قتل کر دیا کرتے تھے، ارشاد باری ہے ”وَكَذٰلِكَ زُيِّنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ“ اوراس طرح بہت سے مشرکوں کے لئے ان کے شریکوں نے اپنی اولاد کے قتل کو خوشنما بنا دیا ہے، تا کہ وہ انہیں ہلاکت میں مبتلا کریں اور ان پر ان کے دین کو مشتبہ بنا دیں اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسے نہ کرتے، لہٰذا انہیں چھوڑ دو کہ اپنی اِفترا پردازیوں میں لگے رہیں۔

ایک دوسرے مقام پر اس جرم کے مرتکبین کے خسران کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ”قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْآ اَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ“ یقیناً خسارے میں پڑ گئے وہ لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو جہالت ونادانی کی بنا پر قتل کیا۔

اسی طرح محتاجی کے ڈر سے قتل اولاد کا جرم کرنے والوں سے فرمایا گیا ”وَلَا تَقْتُلُوْآ اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا“ تم اپنی اولاد کو غریبی کے ڈر سے قتل نہ کرو، ہم انہیں بھی رزق دیتے ہیں اور تمہیں بھی، بے شک ان کا قتل کبیرہ گناہ ہے۔ اسی طرح ان لوگوں کو بھی متنبہ کیا گیا جو اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرتے تھے ”وَاِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ بِاَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ“ اور جب زندہ درگور کی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس جرم میں قتل کی گئی۔

اس ممانعت کے ساتھ ساتھ زبانِ رسالت نے ان لڑکیوں کے وجود کو رحمت بنا کر پیش کیا، فرمایا نبی کریم ﷺ نے ”جو کوئی ان لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کی وجہ سے مصیبت میں مبتلا کیا جائے، اس کے باوجود وہ اس کے ساتھ محبت ومہربانی کا سلوک کرے تو وہ دوزخ کے عذاب سے اس کو بچالے گی، وہ اس کے اور دوزخ کے درمیان پردہ بن کر حائل ہو جائے گی“ (بخاری ومسلم)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا ”مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اَنَا وَهُوَ هٰكَذَا وَضَمَّ اَصَابِعَهُ“ مسلم. جس نے دو لڑکیوں کی جوان ہونے تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ اس طرح آئیں گے، اور آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو اس طرح ملایا۔

غرض تعلیماتِ نبوی ﷺ کا یہ اثر ہوا کہ لوگ جرم سے تائب ہو گئے، ان کے دلوں میں یہ بات گھر کر گئی کہ اصل رازق اللہ ہے اور اسی کے ہاتھ میں رزق کی کنجی

ہے، پیدا ہونے والا ہر بچہ اپنی روزی اپنے ساتھ لے کر پیدا ہوتا ہے، نیز اپنی لڑکیوں کو زندہ درگور کرنے والے ایک یتیم بچی کی کفالت کے لئے خود کو پیش کرنے لگے، عمرہ کی ادائیگی کے لئے جب نبی کریم ﷺ مکہ سے روانہ ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو اتنے میں سید الشہدا حضرت حمزہؓ کی یتیم بچی چچا چچا کہتی دوڑی آتی ہے، حضرت علیؓ ہاتھوں میں اٹھا لیتے ہیں اور حضرت فاطمہؓ کے حوالے کرتے ہیں کہ یہ لو تمہارے چچا کی بیٹی، حضرت علیؓ کے بھائی حضرت جعفرؓ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ بچی مجھ کو ملنی چاہئے کہ میرے چچا کی لڑکی ہے اور اس کی خالہ میرے گھر میں ہے، حضرت زیدؓ بڑھ کر کہتے ہیں کہ حضورؐ! یہ لڑکی مجھ کو ملنی چاہئے کہ حمزہؓ میرے دینی بھائی تھے، حضرت علیؓ کا دعویٰ ہے کہ یہ میری بہن بھی ہے اور پہلے میری ہی گود میں آئی ہے، نبی کریم ﷺ دل کو خوش کرنے والا یہ منظر دیکھتے ہیں، پھر سب کا دعویٰ مساوی دیکھ کر اس کو یہ کہہ کر خالہ کے حوالے کر دیتے ہیں کہ خالہ ماں کے برابر ہوتی ہے۔

اذان دی جائے اور تحنیک کی جائے

بچے کے پیدا ہوتے ہی اس کے کان میں اذان دی جائے اور اسے تحنیک کی جائے، حضرت ابورافعؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ جب فاطمہؓ کے یہاں حسن بن علیؓ پیدا ہوئے تو آپ ﷺ نے ان کے کان میں اذان دی۔

بچے کی پیدائش پر کان میں اذان دینے کی حکمت بیان کرتے ہوئے علامہ ابن القیمؒ فرماتے ہیں کہ ”بچے کے کان میں سب سے پہلی آواز ایسے کلمات کی پڑے جو اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی پر مشتمل ہو، اور جس شہادت کو وہ شعوری طور پر ادا کرنے کے بعد داخلِ اسلام ہوگا اس کی تلقین پیدائش کے دن ہی سے کی جائے، جس طرح مرنے کے وقت اس کو کلمۂ توحید کی تلقین کی جاتی ہے، اس کا ایک دوسرا فائدہ یہ بھی

ہے کہ شیطان جو گھات میں بیٹھا ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ پیدا ہوتے ہی انسان کو آزمائش میں مبتلا کرے اذان سنتے ہی بھاگ جاتا ہے اور شیطان کی دعوت سے پہلے بچے کو اسلام اور عبادتِ الٰہی کی دعوت دی جاتی ہے۔ (تحفۃ المودود، ص ۸۸)

حضرت اسماءؓ بیان کرتی ہیں کہ جب ابن زبیر پیدا ہوئے تو انہیں رسول اللہ ﷺ کی گود میں دیا گیا، آپ ﷺ نے تحنیک کی یعنی کھجور چبا کر اپنا لعاب بچے کے منھ میں ڈالا، چبائی ہوئی کھجور بچے کے منھ میں گئی تو خیر و برکت کی دعا فرمائی۔ اسی طرح حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں بچے لائے جاتے، آپ ﷺ ان کے لئے برکت کی دعا فرماتے اور تحنیک بھی کرتے۔ (مسلم)

عقیقہ کیا جائے، سر کے بال مونڈے جائیں اور اچھا نام رکھا جائے

بہتر یہ کہ بچے کے پیدا ہونے کے ساتویں دن عقیقہ کر دیا جائے، اس لئے کہ بچہ اپنے عقیقہ کی بنا گروی رہتا ہے، ارشاد نبویؐ ہے ”كُلُّ غُلَامٍ رَهِينَةٌ بِعَقِيقَتِهِ تُذْبَحُ عَنْهُ يَوْمَ سَابِعَهُ وَيُسَمَّى فِيهِ وَيُحْلَقُ رَاسِهِ“ (صحیح ابی داؤد) ہر بچہ اپنے عقیقہ کے بدلے گروی ہوتا ہے، پیدائش کے ساتویں دن اس کا عقیقہ کیا جائے، اس کا نام رکھا جائے اور اس کا سر مونڈا جائے۔ عقیقہ میں لڑکے کی جانب سے دو بکرے اور لڑکی کی جانب سے ایک بکرا ذبح کیا جائے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”عَنِ الْغُلَامِ شَاتَانِ مَكَافِئَتَانِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةٌ“ (صحیح ابی داؤد) لڑکے کی جانب سے دو ہم عمر بکریاں اور لڑکی کی جانب سے ایک بکری۔ عقیقے کے دن نومولود کے سر کے بال نکال دینے کے بعد بالوں کے ہموزن چاندی صدقہ کرنے کا ذکر حدیث میں آیا ہے، حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسنؓ کے عقیقے میں ایک بکری ذبح کی اور فرمایا فاطمہؓ! اس کا سر منڈواؤ اور اس کے بالوں کے ہموزن چاندی صدقہ کرو۔ (ترمذی)

بچے کی پیدائش کے بعد ایک اور کام بچے کی ختنہ کرانا ہے، اسے رسول اللہ ﷺ نے تمام انبیاء کی سنت اور فطرت کے کاموں میں سے ایک بتایا ہے، مناسب اور بہتر یہی ہے کہ بچے کے عقیقے کے ساتھ ہی اس کی ختنہ بھی کرادی جائے، اس سلسلہ میں غیر ضروری تاخیر مناسب نہیں ہے۔ عقیقہ کے ذیل میں بیان کی گئی حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ساتویں بچے کا کوئی اچھا سا نام رکھا جائے، ایک دوسری حدیث میں اچھا نام رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے، ارشاد ہے "اِنَّكُمْ تَدْعُوْنَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِأَسْمَائِكُمْ وَبِأَسْمَآءِ آبَائِكُمْ فَاَحْسِنُوْا أَسْمَائِكُمْ" (ابی داؤد) تم قیامت کے دن اپنے اور اپنے باپ کے نام کے ساتھ پکارے جاؤ گے اس لئے اچھے نام رکھا کرو۔

علامہ ابن قیمؒ نام اچھا رکھنے کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ نام اپنے مسمی کی شخصیت پر اثر ڈالتا ہے اور انسان اپنے نام کی اچھائی یا برائی سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ لہٰذا کوئی ایسا نام رکھنے سے احتراز کیا جائے جس کے معنی اچھے نہ ہوں، اگر کبھی لاعلمی میں غلط نام رکھ دیئے گئے ہوں تو ان کو بدل کر اچھے نام رکھے جائیں، نبی کریم ﷺ غلط نام بدل دیا کرتے تھے، حضرت عمرؓ کی ایک صاحبزادی کا نام عاصیہ تھا، آپ ﷺ نے بدل کر جمیلہ رکھ دیا۔ (مسلم) اسی طرح حضرت زینبؓ کا نام برّہ تھا جس کے معنی پاکباز کے ہیں، نبی کریم ﷺ نے سنا تو فرمایا خود سے پاکبازی کا دم بھر رہی ہو، لوگوں نے کہا پھر کیا رکھیں؟ فرمایا "زینب" رکھو۔ (ابوداؤد)

کفالت

والدین پر اولاد کا ایک حق یہ بھی ہے کہ جب تک وہ خود سے کھانے پینے کے قابل نہ ہو جائیں ان کی خبر گیری کریں اور ان کے بالغ ہونے تک کفالت کریں،

جہاں تک مصارف کی بات ہے تو اس کی تمام تر ذمہ داری شریعت نے خاص طور سے باپ پر رکھی ہے کہ وہ اپنی طاقت کے مطابق اس کے نان ونفقہ، رہائش اور دیگر ضروریات کا انتظام کرے، احکام طلاق کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا" اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا، مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بار نہ ڈالنا چاہئے۔

حسنِ تربیت

والدین کی ایک ذمہ داری یہ ہے کہ اولاد کی اچھی تربیت کریں اور انہیں اوامر کا پابند بنائیں اور نواہی سے اجتناب کا خوگر بنائیں، ارشاد باری تعالیٰ ہے "يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ" اے ایمان والو! تم خود کو اور اپنے اہل وعیال کو اس آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں "ادب ابنک فانک مسعول عنه ماذا ادبته وماذا علمته" (تحفۃ المولود) تم اپنی اولاد کو ادب سکھاؤ، کیوں کہ قیامت کے دن اس کے بارے میں سوال کئے جاؤ گے کہ تم نے اس کو اچھا ادب اور اچھی تعلیم سے آراستہ کیا تھا یا نہیں۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا "اچھی تربیت صدقہ وخیرات کرنے سے بھی زیادہ بہتر ہے" (ترمذی) بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک کہا گیا ہے "ما نحل والد ولده من نحل افضل من حسن ادب" (ترمذی) باپ کی طرف سے اولاد کے لئے اچھے ادب سے بڑھ کر کوئی عطیہ نہیں ہے۔

تعلیم

تربیت کے ساتھ ساتھ اولاد کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنا بھی والدین ہی کی ذمہ داری ہے بالخصوص دینی تعلیم سے، حضرت خالدؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم بچوں کو تیراندازی سکھائیں اور قرآن کی تعلیم دیں۔ اس کا فائدہ خود ان کو دنیا میں پہنچتا ہی ہے مرنے کے بعد بھی انہیں اس کا فائدہ پہنچتا رہے گا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا ''انسان جب مرجاتا ہے تو اس کا عمل ختم ہوجاتا ہے مگر تین قسم کے اعمال ایسے ہیں کہ ان کا اجروثواب مرنے کے بعد بھی ملتا رہتا ہے، ایک یہ کہ وہ صدقۂ جاریہ کرجائے، دوسرے یہ کہ وہ ایسا عمل چھوڑ جائے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے رہیں، تیسرے صالح اولاد جو اس کے لئے دعا کرتی رہے۔ (مسلم)

شفقت ومحبت اور مساوات کا برتاؤ

چھوٹے بچے اپنے بڑوں کی شفقت ومحبت اور لاڈ وپیار کے محتاج ہوتے ہیں اس سے ان کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوتی ہے اور یہ ان کی فطری نشوونما کے لئے بھی ضروری ہے، اس لئے والدین کو چاہئے کہ وہ اپنی اولاد کے ساتھ شفقت ومحبت کا برتاؤ کریں، ایک مرتبہ اقرع بن حابس نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ حضرت حسنؓ کا بوسہ لے رہے ہیں، تو اقرع نے کہا میرے دس بچے ہیں میں نے ان میں سے اب تک کسی کا بوسہ نہیں لیا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔ (بخاری)

اس شفقت ورحمت کے ساتھ ساتھ والدین پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ اولاد کے درمیان مساوات کا برتاؤ کریں، خاص کر مادی چیزوں میں، ایک مرتبہ حضرت نعمانؓ

کے والد حضرت بشیرؓ اپنے بیٹے کو ساتھ لئے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! میرے پاس ایک غلام تھا وہ میں نے اپنے اس لڑکے کو بخش دیا، نبی کریم ﷺ نے پوچھا کیا تم نے اپنے ہر لڑکے کو ایک ایک غلام بخشا ہے؟ بشیر نے کہا نہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا اس غلام کو تم واپس لے لو اور فرمایا اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے ساتھ برابری کا سلوک کرو، حضرت بشیر گھر لوٹے اور نعمان سے اپنا غلام واپس لے لیا۔ (بخاری ومسلم)

شادی

شریعت نے اولاد کی شادی کا ذمہ دار بھی والدین ہی کو قرار دیا ہے، لہٰذا والدین کو چاہئے کہ اولاد سن بلوغ کو پہنچ جائے تو مناسب رشتے کا انتخاب کرکے ان کی شادی کردیں، حضرت عبداللہ بن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ جس کے گھر بچہ پیدا ہو اس کا اچھا نام رکھے، اس کی تربیت کرے اور جب وہ بالغ ہوجائے تو اس کی شادی کرے، اگر بلوغت کی عمر کو پہنچنے پر بھی شادی نہ کی اور وہ گناہ میں پڑ گیا تو اس گناہ میں اس کا باپ بھی شریک ہوگا۔

غرض دین اسلام نے والدین کی طرح اولاد کے بھی ان پر کچھ حقوق متعین کئے ہیں جن کا پاس ولحاظ رکھنا ضروری ہے، اگر ہر والدین اپنی ان ذمہ داریوں کو صحیح طور پر ادا کرتے رہیں تو نتیجے میں جو معاشرہ وجود میں آئے گا وہ یقیناً ایک مثالی معاشرہ ہوگا، اس کے برخلاف اگر وہ اپنے فرائض وواجبات کی ادائیگی میں سستی اور بے توجہی سے کام لیتے ہیں تو اس کے برے نتائج سے خود وہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے، ایک شخص نے حضرت عمرؓ کے پاس اپنے لڑکے کے غلط برتاؤ کی شکایت کی تو لڑکے نے حضرت عمرؓ سے دریافت کیا، امیر المؤمنین! باپ پر بیٹے کا کیا حق ہے؟

انہوں نے جواب دیا باپ کو چاہئے کہ بیٹے کے لئے نیک ماں کا انتخاب کرے، اس کا اچھا نام رکھے اور اس کو قرآن کی تعلیم دے، لڑکے نے کہا امیر المؤمنین! میرے باپ نے ان میں سے میرا کوئی حق ادا نہیں کیا، میری ماں حبشی نسل کی ہے جو ایک مجوسی کی مملوکہ تھی، میرا نام اس نے ''خنفسا'' (کیڑا) رکھا اور قرآن کا ایک حرف بھی مجھے اس نے نہیں سکھایا، حضرت عمرؓ لڑکے کی بات سن کر باپ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا تم اپنے لڑکے کی بدسلوکی کا شکوہ لے کر آئے ہو، لیکن اس سے پہلے تم خود اس کے ساتھ بدسلوکی کر چکے ہو۔

اس سے معلوم ہوا کہ اولاد کے ساتھ والدین کا کیا حسن سلوک ہونا چاہئے اور شریعت نے کیا کیا ذمہ داریاں والدین کے ذمہ کی ہیں انہیں نبھانا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

☆☆☆

ڈاڑھی مرد کے لئے ضروری

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِيَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ''وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُسْلِمُوْنَ'' ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم. ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمْ ''مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ'' اَوْ كَمَا قَالَ عَلَيْهِ السَّلَامَ.

تقدیرِ رحم کیا ہے کوئی کہہ نہیں سکتا
مومن کی فراست ہو تو کافی ہے اشارہ

بزرگانِ اسلام اور نوجوانانِ ملت! حضور اکرم سرکار دوعالم ﷺ کے بعد دین کے شیرازے بکھرتے چلے گئے اور شعارِ اسلام کو تاراج کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ آج کے دور میں ڈاڑھی جیسی عظیم الشان سنت جو جملہ انبیاء علیہم السلام اور جملہ مذاہب کے مقتداؤں کی سنت ہے، ایسی عظیم روایت اور سنت کو مسلمانوں کے لئے معیوب

بنانے کی سازش کی جارہی ہے، جبکہ اسی ملک میں سکھ برادری ہے وہ پورے شد و مد کے ساتھ ڈاڑھی کی محافظ ہے، اس کی ڈاڑھی حکومت کے کسی بھی شعبہ میں رکاوٹ نہیں بنتی، خواہ وہ پولیس کا محکمہ ہو یا ڈیفنس کا یا فوج کا یا کوئی اور اہم اور غیر معمولی شعبہ ہو، ہر جگہ سکھوں کی ڈاڑھی قبول ہے، لیکن مسلمان کے چہرے پر اہلِ اقتدار کو ڈاڑھی قبول نہیں ہے، یہ محض تعصب اور تنگ نظری پر مشتمل معاملہ ہے۔

سر سید احمد خان کو ان کے کسی شاگرد نے لکھا تھا کہ حضرت میں آفس میں نماز پڑھتا ہوں لیکن کچھ تنگ نظر اور متعصب لوگ مجھے نماز پڑھنے سے روکتے ہیں یا نماز پر اعتراض کرتے ہیں، اس پر خان صاحب نے اپنی طرف سے ناراضگی کا اظہار کیا اور ان کو جواب لکھا کہ تم اپنے اخلاق اتنے درست کرلو کہ تمہارے ارکانِ دین ان کو بھلے لگنے لگیں، یہ بات شاید بہت لوگ محسوس کریں گے کہ ایسا کیسے ہوسکتا ہے؟

آیئے! میں آپ کو ایک واقعہ کی طرف لے چلتا ہوں، یہ ۱۹۸۹ء کی بات ہے کہ بندہ (محمد ادریس حبان رحیمی) کراچی میں تھا، مختلف دوستوں سے ملاقات ہوئی، ایک بار جرمن سے آئے ہوئے ایک باشرع ڈاکٹر سے ملاقات ہوئی، معلوم ہوا کہ موصوف ایک کمپنی میں چھبیس سال سے ملازم ہیں اور انہوں نے وہاں ملازمت کے دوران ایک عظیم مثال قائم کی، وہ ہمیشہ وقت سے دس منٹ پہلے اپنے چیمبر میں داخل ہوتے اور شام کو پانچ بج کر پانچ منٹ پر آفس سے باہر آتے، یعنی دس منٹ پہلے اور پانچ منٹ بعد تک دفتر میں ہوتے، دوسرے کمپنی کو ہمیشہ فائدہ دکھایا، جتنا کام دیا گیا پورا کیا اور ۲۶ سال میں فیکٹری کی چھٹیوں کے علاوہ کبھی ایک چھٹی بھی اپنی طرف سے نہیں لی، ڈاکٹر صاحب کا نام تو اب مجھے یاد نہیں رہا لیکن ہاں اتنا یاد ہے کہ وہ کراچی کے رہنے والے تھے۔

چنانچہ چھبیس سال کے بعد ایک وقت ایسا آیا جس میں کمپنی کو مزید ملازمین کی ضرورت تھی، اس لئے کمپنی کے ڈائرکٹر نے ان کراچی والے صاحب کو بلا کر کہا کہ ہمیں آپ جیسے دوسو آدمیوں کی مزید ضرورت ہے، وہ مسلمان بھی ہوں اور آپ کی طرح ڈاڑھی رکھنے والے بھی ہوں، اس لئے کہ آپ نے ایک عظیم مثال قائم کی ہے، کمپنی میں کوئی دوسرا شخص آپ جیسا باصلاحیت اور ایماندار نہیں ہے، یہ ڈاکٹر صاحب کمپنی کے لئے دوسو آدمیوں کو لینے کے لئے پاکستان آئے ہوئے تھے۔

دیکھا آپ نے! آپ جب ایماندار ہوں گے، نیک ہوں گے، بہی خواہ ہوں گے، حسد اور نقصان سے دور ہوں گے تو آپ کا دین آپ کی نماز اور آپ کی ڈاڑھی کہیں بھی رکاوٹ پیدا نہیں کرے گی۔

حضرت مولانا عطاء اللہ شاہ بخاریؒ سے شکایت

ایک مرتبہ کا واقعہ ہے کے بطلِ حریت حضرت مولانا شاہ عطاء اللہ بخاریؒ کی خدمت میں اسلامیہ کالج کے چند مسلمان حاضر ہوئے، انہوں نے کہا کہ حضرت کالج میں ڈاڑھی رکھنا بہت مشکل ہے، شاہ جی نے اپنے مخصوص انداز میں کہا ''ہاں! تم ٹھیک کہتے ہو، ڈاڑھی رکھنا اسلامیہ کالج میں واقعی مشکل ہے لیکن خالصہ کالج میں کوئی مشکل نہیں''۔ گذشتہ سال آپ نے پڑھا ہوگا کہ پاکستان ایئر فورس سے کئی افسران کو ڈاڑھی رکھنے کے جرم میں معطل کر دیا تھا، جبکہ انڈین ایئر فورس اور برٹش ایئر فورس کے کئی سکھ پائلیٹ پوری ڈاڑھی رکھتے ہیں ان کو ڈاڑھی رکھنے میں کسی بھی مشکل اور پریشانی کا سامنا نہیں ہے۔

اس تعلق سے شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کیا فرماتے ہیں، عرض کرتا ہوں!

یونیفارم مخصوص ہے

"ہر نظامِ سلطنت وسیاست میں مختلف شعبوں کے لئے کوئی نہ کوئی یونیفارم مقرر ہے، پولیس کا یونیفارم اور ہے، فوج کا اور ہے، سوار کا اور ہے، پیادہ کا اور ہے، بری فوج کا اور ہے، بحری فوج کا اور ہے، ڈاکخانہ کا اور ہے، ریلوے کا اور، پھر افسروں کا اور ہے، ماتحتوں کا اور، اور پھر اس پر مزید سختی اور تاکید یہاں تک ہے کہ ڈیوٹی ادا کرتے وقت اگر یونیفارم میں کوئی ملازم نہیں پایا جاتا تو مستوجب سزا شمار کیا جاتا ہے، خواص بادشاہی فوجیوں کا اور ہی یونیفارم ہے، ندماء اور وزراء، مقربین کا اور، یہ حال تو صرف ایک ہی سلطنت کا ہے کہ اس کے مختلف شعبوں میں علیحدہ علیحدہ یونیفارم قرار دیا جاتا ہے، اسی طرح اگر کسی دوسرے شعبہ کا یونیفارم پہن کر آ جائے اور افسروں کو اطلاع ہو جائے تو بھی اسی طرح یا اس سے زائد مجرم قرار دیا جاتا ہے۔

جس طرح بغیر یونیفارم آنے والا ملازم مجرم قرار دیا جاتا ہے اور جس طرح یہ ایک نظام سلطنت وحکومت میں ضروری خیال کیا جاتا ہے، اسی طرح اقوام وملل میں بھی ہمیشہ اس کا خیال رکھا جاتا ہے، اگر آپ تفتیش کریں گے تو انگلینڈ، فرانس، جرمنی، اٹلی، آسٹریلیا، امریکہ وغیرہ کو پائیں گے کہ وہ اپنے اپنے نشانات، جھنڈے اور یونیفارم علیحدہ علیحدہ رکھتے ہیں۔

ہر قوم کا ایک امتیازی نشان ہے

واقف کار شخص ہر ایک کے سپاہی کو دوسرے سے تمیز کر سکے گا اور اسی سے میدان جنگ، ملکی وسیاسی مقامات میں امتیاز کیا جاتا ہے اور ہر قوم اور ہر ملت اپنے اپنے یونیفارم اور نشانوں کو محفوظ رکھنا از حد ضروری سمجھتی ہے، بلکہ بسا اوقات اس میں خلل پڑنے سے سخت سے سخت وقائع پیش آ جاتے ہیں، کسی حکومت کے جھنڈے کو گرا

دیجئے، کوئی توہین کر دیجئے، کہیں سے اکھاڑ دیجئے، دیکھئے کہ کس طرح جنگ کی تیاری ہوتی ہے، یہ یونیفارم اور نشان صرف لباس ہی میں نہیں ہوتا، بلکہ کبھی کبھی جسم میں بھی بعض بعض علامتیں رکھی جاتی ہیں، بعض قوموں میں ہاتھ یا جسم میں کوئی گودنا گودا جاتا ہے، بعض میں سر پر چوٹی رکھی جاتی ہیں۔

الغرض یہ طریقۂ امتیاز شعبہائے مختلفہ اور اقوام حکومت وملل کا ہمیشہ سے ہے اور تمام اقوام میں اطراف عالم میں چلا آ رہا ہے، اگر یہ نہ ہو تو کوئی محکمہ کوئی حکومت اور کوئی محافظ نہیں رہی وہ بہت جلد دوسری قوموں میں منجذب ہو گئی، حتی کہ اس کا نام ونشان تک باقی نہ رہا، اسی ہندوستان میں یونانی آئے، افغان آئے، آریہ آئے، تاتار آئے، ترک، مصری اور سوڈانی آئے، مگر مسلمانوں سے پہلے جو قومیں بھی آئیں، آج ان میں سے کوئی ملت اور قوم متمیز ہے؟ کیا کسی کی بھی ہستی علیحدہ بتائی جا سکتی ہے، سب کے سب ہندو قوم میں منجذب ہو گئے، وجہ صرف یہی تھی کہ انہوں نے اکثریت کے یونیفارم کو اختیار کر لیا تھا، دھوتی، چوٹی، ساڑی، رسم ورواج وغیرہ ان ہی کے تابع ہو گئے، اس لئے ان کی ہستی مٹ گئی، باوجود اختلاف عقائد سب کو ہندو قوم کہا جاتا ہے۔

ہر ملک کا اپنا الگ لباس ہے

کسی کی قومی ہستی جس سے اس کی امتیازی شان ہو باقی نہیں رہی، ہاں جن قوموں نے امتیازی یونیفارم رکھا وہ آج بھی اپنی قومیت اور ملیت کا تحفظ اور امتیاز رکھتے ہیں، پرشین قوم دوسرے سے ممیّز نہیں ہو سکے، ہم کو کس طرح معلوم ہوتا ہے کہ یہ فوجی ہے یا ملکی ہے پولیس ہے یا ڈاکیہ؟ ریلوے کا ملازم ہے یا بحری جہازوں کا افسر یا ماتحت جرنیل ہے یا منیجر، اسی طرح ہم کس طرح جان سکتے ہیں کہ یہ شخص

روسی ہے یا فرانسیسی، امریکن ہے یا آسٹرین وغیرہ ہر زمانہ اور ہر ملک میں اس کا لحاظ ضروری سمجھا گیا ہے اور سمجھا جاتا ہے۔

سکھوں کا یونیفارم

جو قوم اور جو لوگ ہندوستان میں آئے ہندو قوم اور راجاؤں نے ان کو ہضم کرنا چاہا، عورتوں کا یونیفارم بدلوادیا، معیشت اور زبان بدلوادی، مگر مردوں کی ٹوپی نہ بدلی گئی، بالآخر آج وہ زندہ قوم اور موجودہ ممتاز ملت ہے، سکھوں نے اپنی امتیازی وردی قائم کی، سر اور داڑھی کے بالوں کو محفوظ رکھا، آج ان کی قوم امتیازی حیثیت رکھتی ہے اور زندہ قوم شمار کی جاتی ہے۔ انگریز سولہویں صدی کے آخر میں آیا، تقریباً ڈھائی سو برس گزر گئے ہیں، نہایت سرد ملک کا رہنے والا ہے، مگر اس نے اپنا یونیفارم کوٹ پتلون، ہیٹ بوٹ ٹائی اس گرم ملک میں بھی نہ چھوڑا، یہی وجہ ہے کہ اس کو پینتیس کروڑ قوم اولا اپنے میں ہضم نہ کرسکی، اس کی قوم وملت علیحدہ ملت ہے، اس کی ہستی دنیا میں قابل تسلیم ہے، مسلمان اس ملک میں آئے اور تقریباً ایک ہزار برس سے زائد ہو گئے ہیں، جب سے آئے ہیں اگر وہ اپنے خصوصی یونیفارم کو محفوظ نہ رکھتے تو آج اسی طرح ہندو قوم میں نظر آتے جیسا کہ مسلمانوں سے پہلی قومیں ہضم ہو کر اپنا نام ونشان مٹاگئیں، آج تاریخی صفحات کے سوا ان کا نشان کرۂ ارضی پر نظر نہیں آتا، مسلمان نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس نے اپنا یونیفارم محفوظ رکھا ہو، بلکہ یہ بھی کیا کہ اکثریت کے یونیفارم کو مٹا کر اپنا یونیفارم پہنانا چاہا چند ہزار تھے اور چند کروڑ بن گئے، صرف یہی نہیں کیا کہ پائجامہ کرتہ، عبا، قبا، عمامہ دستار کو محفوظ رکھا بلکہ مذہب اسماء الرجال تہذیب وکلچر رسم ورواج، زبان وعمارت وغیرہ جملہ اشیاء کو محفوظ رکھا، اس لئے ان کی مستقل ہستی ہندوستان میں قائم رہی اور جب تک اس کی مراعات ہوتی رہے گی، رہیں گے۔

مختلف قوموں کی تہذیبیں

آج ہر قوم نے جب بھی ترقی کی ہے تو اس کی کوشش کی ہے کہ اس کا یونیفارم اس کا کلچر اس کا مذہب اس کی زبان دوسروں پر غالب اور دوسرے ممالک واقوام میں پھیل جائے، آریہ قوم کی تاریخ پڑھو، فارسیوں کے کارنامے دیکھو، کلدانیوں اور عبرانیوں کی تاریخ کا مطالعہ کرو، یہودیوں اور عیسائیوں کے انقلابات کو غور سے دیکھو، دور کیوں جاتے ہو عربوں اور مسلمانوں کے اولوالعزم اعمال آپ کے سامنے موجود ہیں، زبان عربی صرف ملک عرب کی زبان تھی، عراق، سیریہ، فلسطین، مصر سوڈان، الجیریا، ٹیونس، مراکش، فارس، صحرائے لیبیا وغیرہ میں کوئی شخص نہ عربی زبان سے آشنا تھا نہ مذہب اسلام سے، نہ اسلامی رسم ورواج سے، مگر عربوں نے ان ملکوں میں اس طرح اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب جاری کردی کہ وہاں کی غیر مسلم اقوام آج بھی اسلامی یونیفارم اسی کلچر اسی تہذیب اور اسی زبان کو اپنی چیزیں سمجھتی ہیں۔ اسرائیلی قومیں، کلدانی نسلیں، عبرانی خاندان، ترکی برادریاں، بربری ذاتیں وغیرہ ان دیار میں سب کے سب عربوں میں منضم ہوگئی ہیں، اگر کسی کو اپنی ذات اور خاندان کا علم بھی ہے تو وہ بھی مثل خواب وخیال ہے، سب کے سب اپنے کو عرب ہی سمجھتے ہیں اور عربیت ہی کے دعویدار ہیں۔ انگلستان کو دیکھئے یہ اپنے جزیرہ سے نکلتا ہے کینیڈا، آسٹریلیا، امریکہ، نیوزی لینڈ، کیپ کالونی، ساؤتھ افریقہ وغیرہ میں پوری جدوجہد کرکے اپنی زبان اپنا کلچر اپنی تہذیب اپنا مذہب اپنا لباس وغیرہ پھیلا دیتا ہے، جو لوگ اس کے مذہب میں داخل بھی نہیں ہوئے وہ بھی اس کی تہذیب اور فیشن وغیرہ میں جذب ہوجاتے ہیں اور یہی حال ہندوستان میں روز افزوں ترقی پذیر ہے۔

ہندوستان کی زبان سنسکرت

ہندو قوم اسی سیلاب کو دیکھ کر اپنی مردہ زبان سنسکرت جس کو تاریخ کبھی کسی طرح عام زبان ہندوستان یا کم از کم آریہ نسل کی نہیں بتا سکتے، آج اس کی اشاعت کی پرزور کوشش کر رہی ہے اس کا لکچر رکھڑا ہوتا ہے اور پچاس فیصدی یا اس سے زائد الفاظ سنسکرت کے ٹھونس کر اپنی تقریر کو غیر قابل فہم بنا دیتا ہے، خود اس کی قوم ان الفاظ کو نہیں سمجھ سکتی اور بالخصوص اس کا مذہبی واعظ تو بالکل اسی یا نوے فیصد الفاظ سنسکرت بھاشا بولتا ہے مگر اس چیز کو اس کی قوم بنظر استحسان ہی دیکھتی ہے، بڑے بڑے گروکل اور ودیا پیٹھ اس زبانِ مردہ کو زندہ کرنے کے لئے جاری کئے جارہے ہیں حالانکہ موجود نہیں ہے اور غالباً کسی زمانہ میں بھی یہ زبان عام پبلک کی زبان نہ تھی، وہ انتہائی کوشش کر رہا ہے کہ دھوتی باندھنا نہ چھوڑے، اس کا ایم ایل، سی ایم، ایل اے، اسمبلی کے پریسیڈنٹ، کونسل کا پریسیڈنٹ، اس کی قوم کا جج ڈپٹی کلکٹر وغیرہ دھوتی باندھ کر سر کھول کر قمیص پہن کر بر سر اجلاس آتا ہے، حالانکہ دھوتی میں پائجامہ سے زیادہ کپڑا خرچ ہوتا ہے لیکن پردہ پورا نہیں ہوتا، سردی اور گرمی سے پوری حفاظت نہیں ہوتی۔

خصوصی وضع قطع ضروری

باوجود ان سب امور کے پائجامہ پہننا اختیار نہیں کرتا، چوٹی سر پر رکھنا، جنیو لگانا ضروری سمجھتا ہے۔ یہ کیا چیزیں ہیں؟ کیا یہ قومی شعار قومی یونیفارم نہیں ہے تو کیا ہے؟ کیا اسی وجہ سے وہ اپنی ہستی کی حفاظت کی صورت نہیں نکال رہا ہے، گرونانک اور ان کی اتباع کرنے والوں نے چاہا کہ اپنے تابعداروں کی مستقل ہستی قائم کریں، تو بال اور سر کا نہ منڈوانا، ڈاڑھی کا نہ کترانا یا نہ منڈانا، لوہے کے کڑے کا پہننا، کرپان کا رکھنا قومی یونیفارم بنا دیا، آج اپنے شعار پر سکھ قوم مری جاتی ہے، اس گرم

ملک میں طرح طرح کی تکلیف سہتی ہے، مگر بالوں کا منڈوانا یا کتروانا قبول نہیں کرتی، اگر وہ ان چیزوں کو چھوڑ دے تو دنیا سے اس کی امتیازی ہستی اور قومی موجودیت، فنا کے گھاٹ اتر جائے گی، مذکورہ بالا معروضات سے بخوبی واضح ہے کہ کسی قوم اور مذہب کا دنیا میں مستقل وجود جب ہی قائم ہوسکتا ہے اور باقی بھی جب ہی رہ سکتا ہے جب کہ وہ اپنے لئے خصوصیات وضع قطع میں تہذیب وکلچر میں، بود وباش میں، زبان اور عمل میں قائم کرے اس لئے ضروری تھا کہ مذہب اسلام جو کہ اپنے عقائد، اخلاق، اعمال وغیرہ کی حیثیت سے تمام مذاہب دنیا و یہ اور تمام اقوام عالم سے بالاتر تھا اور ہے، خصوصیت اور یونیفارم قائم کرے اور ان کے تحفظ کو قومی اور مذہبی تحفظ سمجھتا ہو ان کے لئے جان اڑا دے اس کی وہ خصوصیات اور یونیفارم خداوندی تابعداری اور الٰہی بندوں کی یونیفارم ہوں، جن سے وہ اللہ کے سرکشوں اور دشمنوں میں متمیز ہوں اور علیحدہ ہو جائے، ان کی بنا پر باغبان اور بندگانِ بارگاہ الوہیت میں تمیز ہو، چنانچہ یہی راز ’’مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ‘‘ (مشکوٰۃ شریف۲ر ۳۷۵) کا ہے، جس پر بسا اوقات نوجوانوں کو بہت غصہ آتا ہے، اسی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے اپنے تابعداروں کے لئے خاص یونیفارم تجویز فرمایا ہے، کہیں فرمایا جاتا ہے، ہم میں مشرکین میں فرق ٹوپیوں پر عمامہ باندھنے سے ہوتا ہے ’’فَرْقُ مَا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْمُشْرِكِيْنَ الْعَمَائِمُ عَلَى الْقَلَانِسِ‘‘ (رواہ الترمذی) اسی بنا پر ازار اور پائجامہ میں ٹخنے کھولنے کا حکم کیا گیا ہے تا کہ اہل تکبر سے تمیز ہو جائے۔

ڈاڑھی مسلمان کا یونیفارم

اسی طرح بہت سے احکام اسلام پائے جاتے ہیں، جن کے بیان میں بہت طول ہے اور جن میں یہودیوں سے، نصاریٰ سے، مجوسیوں سے، مشرکین سے امتیاز

وعلیحدگی کا حکم کیا گیا ہے اوران کو ذریعۂ امتیاز بنایا گیا ہے اور یہی وجہ ہے کہ مردوں کو عورتوں سے بھی علیحدہ علیحدہ یونیفارم میں دیکھنا ضروری قرار دیا گیا ہے، عورتوں کے یونیفارم میں رہنے والے مرد اور مردوں کے یونیفارم میں رہنے والی عورت پر لعنت کی گئی ہے، انہیں امور میں عربی میں خط رائج کرنا بھی ہے، انہیں امور میں سے مونچھ کا منڈوانا اور کتروانا اور ڈاڑھی کو بڑھانا بھی ہے۔ "**خالفوا المشركين وفزوا اللحىٰ واحفوا الشوارب**" (بخاری ۲۲/۸۷۵) "**جزوا الشوارب ارخوا اللحىٰ وخالفوا المجوس**" (مسلم ۱/۳۳۴) "**من لم ياخذ من شاربه فليس منا**" (احمد، ترمذی، نسائی، مشکوۃ شریف ۲/۳۸۱)۔

ان روایات کے مثل اور بہت سی روایتیں کتب حدیث کے اندر موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں مشرکین مجوسی ڈاڑھی منڈواتے تھے اور مونچھیں بڑھاتے تھے، جیسا کہ آج عیسائی اور ہندو قوم کر رہی ہے اور یہ امران کے مخصوص یونیفارم میں سے تھا، بنابریں ضروری تھا کہ مسلمانوں کو دوسرے یونیفارم کے خلاف حکم کیا جاوے، نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ لوگوں کا ڈاڑھی منڈانے کے متعلق یہ کہنا کہ یہ عمل اس زمانہ میں عرب کے رواج کی وجہ سے ہے، جو کہ ان میں جاری تھا کہ ڈاڑھی بڑھاتے تھے اور مونچھیں کٹاتے تھے، غلط ہے، بلکہ اس زمانہ میں بھی مخالفین اسلام کا یہ شعار تھا، جس طرح اس قسم کی روایات مذکورہ بالا سے یہ معلوم ہوا کہ یہ یونیفارم مشرکین اور مجوسی کا تھا، اس لئے ضروری ہوا کہ مسلمانوں کو ان کے خلاف یونیفارم دیا جائے تاکہ تمیز کامل ہو۔

مقربانِ خدا کا یونیفارم

اسی طرح حدیث "**عشر من الفطرة قص الشارب واعفاء اللحية والسواک**" (مشکوۃ شریف ۱/۴۴) وغیرہ بتلا رہی ہے کہ بارگاہِ خداوندی کے خاص خاص

مقربین اور ندیموں اور انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے یونیفارم میں سے مونچھوں کا کتروانا ڈاڑھی کا نہ منڈوانا ہے، کیوں کہ فطرت انہیں امور کو اس جگہ میں کہا گیا ہے، جو کہ انبیاء علیہم السلام کے شعار میں سے تھے جیسا کہ بعض روایتوں میں لفظ فطرۃ کے من سنن المرسلین یا اس کے ہم معنی موجود ہے، خلاصہ یہ نکلا کہ یہ ایک خاص یونیفارم اور شعار ہے جو کہ مقربان بارگاہ الوہیت کا ہمیشہ سے یونیفارم رہا ہے اور پھر دوسری قومیں اس کے خلاف کو اپنا یونیفارم بنائے ہوئے بھی ہیں جو کہ اللہ کے قانون کو توڑنے والی اور اس سے بغاوت کرنے والی ہیں، اس لئے دو وجہ سے اس یونیفارم کو اختیار کرنا ضروری ہے۔

دشمنوں کے کلچر سے پرہیز

امت محمدیہ کے ہر فرد کو سب اقتضاء فطرت اور عقل لازم ہونا چاہئے کہ وہ اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کا سا رنگ، ڈھنگ، چال چلن، صورت، سیرت، فیشن، کلچر وغیرہ بنائے اور اپنے محبوب آقا صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے فیشن اور کلچر سے پرہیز کرے، ہمیشہ عقل اور فطرت کا تقاضا یہ ہی رہا ہے اور یہی ہر قوم اور ملک میں پایا جاتا ہے۔

آج یورپ سے بڑھ کر روئے زمین پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کا دشمن کون ہے؟ واقعات کو دیکھئے اس بنا پر بھی جوان کے خصوصی شعار اور فیشن ہیں، ہم کو اس سے انتہائی تنفر ہونا چاہئے، خواہ وہ کرزن فیشن ہو یا گلیڈسٹون فیشن خواہ وہ فرنچ فیشن ہو یا امریکن خواہ وہ لباس سے تعلق رکھتا ہو یا بدن سے خواہ وہ زبان سے یا تہذیب وعادات سے، ہر جگہ اور ہر ملک میں یہی طبعی اور فطری شمار کیا گیا ہے کہ دوست کی سب چیزیں پیاری معلوم ہوتی ہیں اور دشمن کی سب چیزیں مبغوض اور اوپری، بالخصوص جو چیزیں دشمن کی خصوصی شعار ہو جائیں، اس لئے ہماری جدوجہد

اس میں ہونی چاہئے کہ ہم غلامانِ محمد ﷺ اور ان کے فدائی بنیں نہ کہ غلامانِ کرزن وہاڈنگ وفرانس، امریکہ وغیرہ کے۔

باقی رہا امتحان مقابلہ یا ملازمتیں یا آفس کے ملازموں کے طعنے وغیرہ تو یہ نہایت کمزور امر ہے، سکھ امتحان مقابلہ بھی دیتے ہیں، چھوٹے بڑے عہدوں پر بھی مقرر ہیں، اپنی وردی پر مضبوطی سے قائم ہے، کوئی ان کو ٹیڑھی اور بینکی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا باوجود اپنے قلیل التعداد ہونے کے سب سے زیادہ ملازمتیں اور عہدے لئے ہوئے غرار ہے ہیں، اس طرح ہندوؤں میں بھی بکثرت ایسے افراد اور خاندان پائے جاتے ہیں، پٹیل کی ڈاڑھی کو دیکھئے! برہموسماج وغیرہ کے بہت سے بنگالیوں اور گجراتیوں کا معائنہ کیجئے! یہ سب باتیں ہماری کمزوری کی ہیں۔

آخر میں ایک ہی بات سامنے آتی ہے کہ ان تمام دلائل اور اوامر کے اگر ہم آج بھی ڈاڑھی اور دیگر اسلامی شعار کو نہ اپنائیں تو ہم بھی دیگر اقوام کی طرح بے نام ونشان ہو کر بکھر جائیں گے، ہمارا کوئی پرسان حال نہ ہوگا، ہمیں چاہئے کہ ہم اسلامی شعار اور ڈاڑھی کو اپنائیں تا کہ اقوام عالم میں ہماری ایک الگ شان اور ایک عظمت قائم ہو، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

☆☆☆

اساتذۂ کرام کا ادب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "یٰاَیُّھَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰکُمْ مِنْ ذَکَرٍ وَّاُنْثٰی" ۞ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

خودی کی پرورش وتربیت پہ ہے موقوف
کہ مشتِ خاک میں پیدا ہوا آتش ہمہ سوز

بزرگانِ محترم اور نوجوانانِ اسلام وعزیز طلبہ! اللہ تعالیٰ نے انسان کو دو جانوں یعنی ماں اور باپ کے ذریعے پیدا فرمایا، اور ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بعد سب سے محترم تمہارے لئے تمہارے ماں باپ ہیں، ان کی خدمت کرو اور ان کی عزت کرو، ان کی تعظیم کرو، ایک حدیث میں آتا ہے کہ ہر انسان کے تین ماں اور تین باپ ہوتے ہیں (۱) وہ جن کے قلب سے پیدا ہوا، (۲) جس سے علم حاصل کیا یعنی استاذ، (۳) وہ جس کے بیٹے یا بیٹی سے تمہارا نکاح ہوا۔

آج کے اس اجلاس میں اساتذۂ کرام کے متعلق عرض کرنا چاہتا ہوں، یعنی روحانی اور علمی باپ کا ادب اور احترام ہم پر کس قدر واجب اور ضروری ہے، آج کے دور میں مغربی تہذیب میں ہم ایسے رنگ گئے ہیں کہ بڑوں کے ادب اور اکرام کو بھول کر ان کی تضحیک اور توہین کرنے لگے ہیں اور اساتذہ کو اپنا باپ نہیں بلکہ ایک دوست کی حیثیت سے جاننے لگے ہیں اور دوست بھی ایسا کہ جب تک چاہا فائدہ اٹھایا اور جب جی چاہا بے عزت کر کے بدنام کر دیا۔

حالانکہ حضور اکرم ﷺ کے داماد اور آپ کے چچازاد بھائی اور خلیفۂ چہارم حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مجھے ایک لفظ پڑھا دیا میں اس کا غلام ہوں اور آقا کے غلام پر تین حق ہوتے ہیں، ویسے ہی استاذ کے بھی میرے اوپر تین حق ہیں۔

اول یہ کہ خواہ وہ مجھے اپنی خدمت کے لئے رکھ لے، دوسرے یہ کہ خواہ وہ مجھے فروخت کر دے، تیسرے یہ کہ خواہ وہ مجھے آزاد کر دے۔ اللہ اکبر! ایک حرف سکھانے پر اتنا بڑا حق استاذ کو شاگرد پر حاصل ہے اور جس استاذ نے شاگرد کو برسوں پڑھایا ہو اس کا حق کتنا بڑا ہوگا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ استاذ کی بے حرمتی اور بے ادبی کرنے والے کے علم میں کبھی برکت نہیں ہوتی، اس کے علم میں کبھی نورانیت پیدا نہیں ہوتی، اس کے علم سے کسی کو فائدہ نہیں ہوتا، اس کی ذات سے دوسرے لوگ چاہتے ہوئے بھی فائدہ حاصل نہیں کر سکتے کیوں کہ اس نے استاذ کا دل دکھایا تھا، ان کو ایذا پہنچائی تھی، ان کی بددعائیں لی تھیں، اس لئے وہ صاحبِ علم ہوتے ہوئے بھی اپنے علم سے دوسروں کو بہرہ مند نہیں کر سکتا، اس کے پاس علم کا چراغ تھا اس کی روشنی دوسروں کو روشن نہ کر سکی۔

بادشاہوں کے ہاں بھی استاذ کا اکرام تھا

آیئے! میں آپ کو بتاتا ہوں کہ آج استاذ ہمارے بچے کو ذرا مار دے یا کچھ سخت بات کہہ دے تو ہمارے دل اور دماغ غصہ سے بھر جاتے ہیں، ہماری زبانوں سے گستاخانہ الفاظ استعمال ہونے لگتے ہیں، ہم استاذ کی ساری کرم فرمائی اور محنت کو بھول کر کہتے ہیں کیا ہم نے اپنے بچے کو یا بچی کو اسی لئے پالا تھا کہ استاذ ہمارے بچے کو مارے، ہم ہرگز برداشت نہیں کر سکتے، آیئے میں آپ کو بنو عباس کے خلیفہ حضرت ہارون رشید رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ کے کچھ واقعات سناتا ہوں جن سے آپ اندازہ لگالیں گے کہ ان کے دربار میں استاذ کی کس قدر اہمیت تھی، خود ہارون رشید طالب علمی کے دور میں اپنے استاذ کی جوتیاں سیدھی کیا کرتے تھے اور خادموں اور غلاموں کی طرح استاذوں کے سامنے رہتے۔

شاگرد کی اصلاح کا طریقہ

استاد کسائی اپنے ایک شاگرد سے سبق سن رہے تھے، وہ سورۂ صف کی ایک آیت تلاوت کر رہا تھا جس کا مطلب ہے ”اے ایمان والو! وہ بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں“ یہ آیت سنتے ہوئے اچانک استاد کی نظر شاگرد کی طرف اٹھ گئی، استاد کو اپنی طرف دیکھتے ہوئے پایا تو شاگرد نے آیت دہرائی لیکن وہ جانتا تھا کہ اس نے درست پڑھی ہے، تھوڑی دیر بعد استاد چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد وہ خاصی دیر تک سوچتا رہا کہ استاد نے اس کی طرف کیوں دیکھا؟

استاد کسائی کا طریقۂ تعلیم یہ تھا کہ وہ شاگرد کو پڑھنے کو کہتے اور خود سر جھکا کر سبق سنتے رہتے، جب شاگرد پڑھنے میں غلطی کرتا تو استاد کی نظر اٹھ جاتی، یہ دیکھ کر وہ اپنی اصلاح کر لیتا۔

استاذ کے جانے کے بعد شاگرد اپنے باپ کی خدمت میں حاضر ہوا، کیا آپ جانتے ہیں وہ کون تھا؟ شہزادہ مامون الرشید جو اپنے والد عباسی خلیفہ ہارون رشید کی خدمت میں حاضر ہوا۔ شہزادہ نے عرض کی، ابان جان! کیا آپ نے استاذ کسائی کو کچھ دینے کا وعدہ کیا تھا، اگر کیا تھا تو اسے پورا فرمائیے! ہاں انہوں نے قاریوں کے لئے کچھ وظیفہ مقرر کرنے کی درخواست کی تھی، کیا انہوں نے تم سے کچھ کہا؟ خلیفہ نے پوچھا، جی نہیں، جواب ملا۔ پھر تمہیں کس طرح پتا چلا؟ خلیفہ ہارون رشید نے حیران ہوکر دریافت کیا۔ شہزادہ مامون نے تب آیت پڑھنے کا ماجرا بیان کیا، خلیفہ کم سن شہزادہ کی ذہانت پر حیران بھی ہوا اور خوش بھی، بات ہی ایسی تھی کیوں کہ اس وقت شہزادہ مامون کی عمر صرف پانچ برس تھی۔

بنوامیہ کے بعد مسلمانوں کی قیادت بنی عباس کی ہاتھ آئی، ان کا سلسلہ نسب حضور اکرم ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ سے ملتا ہے جو حضرت عبد المطلب کے صاحبزادے تھے، ان کی اولاد میں سے ایک خلیفہ مہدی گزرے ہیں، انہوں نے مرنے سے پہلے وصیت کی کہ ان کی موت کے بعد بڑا بیٹا ابومحمد موسیٰ الہادی نظام خلافت سنبھالے اور اس کے بعد دوسرا بیٹا ہارون الرشید۔

ہارون رشید کو خلافت کی خوشخبری

لیکن ہادی اپنے بعد ہارون الرشید کو خلافت نہیں دینا چاہتا تھا، اس نے بدنیتی سے بھائی کو خلافت سے محروم کرنا چاہا، ہارون رشید خانہ جنگی سے بچنا چاہتا تھا، ممکن ہے اس کا بھائی اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتا لیکن موت نے اسے آن دبوچا۔ یہ ربیع الاول ۱۷۰ھ کی ایک رات کا ذکر ہے جب ہادی نے وفات پائی، اس وقت ہارون الرشید گہری نیند سورہا تھا، وزیراعظم یحییٰ نے اسے جگا کر خلیفہ بننے کی خوشخبری

سنائی، ابھی وہ آپس میں گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ہارون الرشید کی خاص کنیز نے اسے دوسری خوشخبری سنائی کہ اس کے ہاں بیٹا پیدا ہوا ہے۔ یہی وہ خوش نصیب شہزادہ ہے جو تاریخ میں مامون الرشید کے نام سے مشہور ہوا، ہارون الرشید نے مامون کو قرآن پاک پڑھانے کے لئے تین استاذ کسائی، نحوی اور یزیدی مقرر کئے، یہ تینوں اسلامی تاریخ کے بڑے علماء میں شمار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے مامون کے دل میں علم حاصل کرنے کا عجیب جذبہ رکھا تھا وہ اساتذہ کی کس قدر عزت کرتا تھا اس کا اندازہ آپ درج ذیل واقعے سے لگائیے۔

لائق شاگرد کی عظیم سمجھ بوجھ

ایک دن استاذ یزیدی پڑھانے آئے تو مامون محل میں تھا، خادموں نے استاذ کے آنے کی اطلاع دی لیکن اسے کسی وجہ سے آنے میں دیر ہوگئی، اس دوران نوکروں نے استاذ سے مامون کی شکایت کی کہ جب آپ نہیں ہوتے تو آپ کا شاگرد ہمیں پریشان کرتا ہے۔ مامون باہر آیا تو استاد نے اسے غصہ کے عالم میں چھ سات بید مارے، اتنے میں خادموں نے وزیر سلطنت جعفر بن یحییٰ برمکی کے آنے کی اطلاع دی، مامون نے آنکھوں سے بہنے والے آنسو صاف کئے اور فرش پر بیٹھ کر سبق یاد کرنے لگا۔

اب یزیدی کو خوف پیدا ہوا کہ کہیں مامون جعفر سے اس کی شکایت نہ کردے آخر شہزادہ جو ہوا، جب جعفر چلا گیا تو استاد نے شاگرد سے پوچھا، تم نے میری شکایت نہیں کی؟ سعادت مند شاگرد نے نہایت ادب سے کہا ''استغفر اللہ، جعفر تو درکنار میں امیر المؤمنین سے بھی شکایت نہیں کرسکتا، کیا میں نہیں جانتا کہ اس سزا اور آپ کی تعلیم سے مجھے کس قدر فائدہ پہنچے گا۔

امین الرشید کی تخت نشینی

خلیفہ ہارون کے بارہ بیٹے تھے ان میں سے چار زیادہ لائق اور قابل ذکر گزرے ہیں یعنی مامون، امین، موتمن، اور معتصم۔ مامون کی ماں مرچکی تھی، امین کی والدہ زبیدہ خاتون اور اس کا ماموں عیسیٰ بن جعفر بن المنصور دربار میں اثر ورسوخ رکھتے تھے، ملکہ زبیدہ کی تمنا تھی کہ اس کا بیٹا ہارون کے بعد خلیفہ بنے۔ ہارون رشید کے زمانہ (۷۶۶ء تا ۸۰۹ء) میں حضرت امام مالک بن انس بہت بڑے عالم اور علم حدیث کے استاذ گزرے ہیں، ایک دفعہ ہارون الرشید نے ان سے درخواست کی کہ محل آ کر شہزادوں کو علم حدیث کی تعلیم دیجئے! حضرت امام مالکؒ نے کہلا بھیجا کہ لوگ علم کے پاس آتے ہیں وہ دوسروں کے پاس نہیں جاتا، چنانچہ خلیفہ نے شہزادوں کو حضرت کی خدمت میں حاضر ہونے کا حکم دیا۔

جب مامون الرشید تیئس سال کا تھا تو ۳ رجمادی الثانی ۱۹۳ھ کو ہارون الرشید کا انتقال ہوگیا، اس کے بعد دوسرے دن امین الرشید تخت نشین ہوا، اس نے قصر المنصور کے سامنے ایک گنبد والا گھر تعمیر کرایا، قوالوں، مسخروں اور بھانڈوں کی تنخواہ مقرر کرنے کا حکم دیا اور انہیں دار الخلافہ بھیجنے کو کہا۔ امین اپنے بھائی مامون کو اقتدار سے دور رکھنا چاہتا تھا، وہ عیش وعشرت کا دلدادہ تھا، وہ پانچ سال تک اسی کوشش میں لگا رہا کہ بھائی کو قتل کروادے، اس دوران امین نے مامون کے خلاف کئی لشکر بھیجے مگر ناکام رہا، بالآخر ۲۵ رمحرم الحرام ۱۹۸ھ کو امین قتل کردیا گیا اور اس کا سر کاٹ کر بغداد کے باہر ایک برج پر لٹکا دیا گیا، اس سے اگلے روز اہل بغداد نے مامون الرشید کے ہاتھ پر بیعت کرلی۔

مامون الرشید کی خداترسی

مامون الرشید علم پرور تو تھا ہی مگر اللہ تعالیٰ نے اس میں عفو اور معافی کی صفت بھی کوٹ کوٹ کر بھری تھی، اس کا دور حکومت کئی بغاوتوں کو ناکام بنانے اور خون ریزی کرنے میں گزرا، کچھ عرصہ بعد باغی مامون کے چچا ابراہیم المہدی کے گرد جمع ہوگئے تو اس نے کوفہ اور ارد گرد کے علاقے میں اپنی حکومت قائم کرلی۔ دس سال بعد ابراہیم اور اس کی ساتھی گرفتار کر لئے گئے، درباریوں نے باغی کے قتل کا مشورہ دیا مگر مامون کے وزیر اعظم احمد بن ابی خالد نے اس کی جان بخشی کی درخواست کردی، اس موقع پر مامون نے سجدہ کیا جب سر اٹھایا تو ابراہیم سے پوچھا، چچا جان! آپ جانتے ہیں کہ میں نے سجدہ کیوں کیا؟ ابراہیم نے کہا: شاید میری طرف سے اطاعت قبول کرنے پر۔ نہیں، اس وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے عفو کی توفیق بخشی، مامون نے جواب دیا۔

مامون کی شجاعت اور اسلام کی تبلیغ

مامون کے دور میں والئی کابل نے اسلام قبول کیا، اس طرح قندھار اور غزنی سے بت پرستی کی لعنت ختم ہوگئی اور یہ علاقے بھی اسلام کی روشنی سے منور ہوگئے، تبت کے رئیسوں میں بھی ایک رئیس نے اسلام قبول کیا۔ مامون جہاں علم کی روشنی سے مالا مال تھا وہیں اسے دلیری بھی ورثہ میں ملی تھی، ۲۱۶ھ میں شاہ روم نے طرطوس اور گردونواح میں دو ہزار مسلمان شہید کرڈالے، اس خبر نے اسے بے چین کردیا، اس نے غصہ اور جوش کے عالم میں روم پر چڑھائی کی اور اپنے بیٹے عباس اور بھائی ابو اسحٰق معتصم کو دشمنوں کی سرزمین میں بہادری کے جوہر دکھانے کی ترغیب دی، عباس

اوراس کے چچانے تیس سے زیادہ قلعے فتح کئے، عباس قلعوں پر قلعے فتح کرتا ہوا شاہ روم پر حملہ آور ہوا اور اسے شکست فاش دی، اس سے پہلے خود مامون الرشید نے ۲۱۵ھ میں شاہ روم کوشکست دی اوراس کے کئی قلعے فتح کر لئے تھے۔

مامون کا انصاف

۲۱۸ھ میں مامون کو ایک مرتبہ پھر شاہ روم کو سزا دینے کے لئے لشکر کشی کرنا پڑی، اس زمانہ میں لولوۃ بڑا مضبوط قلعہ تصور کیا جاتا تھا، مامون نے اس کا محاصرہ کر لیا، جب قلعہ فتح کرنے میں کامیابی نہ ہوئی تو اس نے کچھ فاصلے پر دو نئے قلعے تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ دوران مقالہ مامون کا ایک سردار عجیف دشمنوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا، اسی اثناء میں شاہ روم خود قلعہ لولوۃ چلا آیا، مامون کے بھائی معتصم اور ایک دوسرے سردار نے اپنے قلعوں سے نکل کر بڑی دلیری سے شاہ روم کا مقابلہ کیا اور اس کا ساز وسامان لوٹ لیا، قلعہ لولوۃ کے محصورین نے یہ دیکھا تو خوف زدہ ہو گئے، انہوں نے عجیف کو اس درخواست کے ساتھ رہا کر دیا کہ وہ خلیفہ مامون الرشید سے ان کے لئے معافی کی درخواست کرے، مامون نے ان کی درخواست قبول کر لی اور انہیں امان دی، پھر اس نے فتح کی یادگار کے طور پر اس علاقے میں کئی مسلمان آباد کئے۔ مامون انصاف پسند بادشاہ تھا، ایک دن کسی بڑھیا نے دربار میں آ کر شکایت کی کہ ایک ظالم نے اس کی جائیداد چھین لی ہے، مامون نے بوڑھی عورت سے کہا کہ کس نے چھینی؟ بڑھیا نے شہزادہ عباس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا، اس نے جو آپ کے پہلو میں بیٹھا ہے۔ مامون نے یہ سن کر بیٹے کو بڑھیا کے ساتھ کھڑا کرنے کا حکم دیا اور پھر دونوں کے بیانات سنے، شہزادہ عباس اٹک اٹک کر باتیں کرتا رہا، اس کے برعکس بڑھیا کی بے باک آواز بلند ہوتی گئی، یہ دیکھ کر وزیر اعظم سلطنت نے

اسے روکنا چاہا مگر مامون نے اسے روک دیا اور بولا، بوڑھی عورت کی بات ویسے ہی سنو جیسے وہ سنانا چاہتی ہے، سچائی نے اس کی زبان تیز کر دی ہے اور عباس کو گونگا بنا ڈالا ہے۔ آخر کار مقدمے کا فیصلہ بوڑھی عورت کے حق میں ہوا، شاہی فیصلے کے مطابق شہزادے کو بوڑھی عورت کی جائیداد واپس کرنا پڑی۔

مامون ماہر فن

ادب، حدیث، فقہ، شاعری، ریاضی، فلسفہ اور سپاہ گری غرض ہر فن میں مامون الرشید نمایاں مقام رکھتا تھا، اس لحاظ سے وہ خلفاء اور بادشاہوں کی فہرست میں خاص اہمیت کا حامل ہے، میدان جنگ میں ہوتا تو بہادری کے خوب جوہر دکھاتا، تب کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ تلوار اور نیزے سے کھیلنے والے ان ہاتھوں نے کبھی قلم پکڑا ہو گا۔ وہ بڑا خداترس بادشاہ تھا، ملک کے ہر حصے میں مامون نے معذوروں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کے لئے وظائف مقرر کر رکھے تھے، اس کے خفیہ پولیس اہلکار اور وقائع نگار تھے جو اپنے اپنے علاقہ کی خبریں اسے باقاعدگی سے روانہ کرتے۔

اس دور کے بادشاہ آج کے نیکوکار اور عابدین، زاہدین سے بھی زیادہ نیک اور متقی تھے، اللہ تعالیٰ ان کے عمل کو قبول فرمائے اور ہمیں بھی ان کے نقشِ قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

☆☆☆

آج مسلمان بے عمل، اسلام پُرکشش

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" ۖ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّہٗ یَجْعَلْ صَدْرَہٗ ضَیِّقًا حَرَجاً کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ" صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

مسلماں کو مسلماں کر دیا طوفان مغرب نے
تلاطم ہائے دریا ہی سے ہے گوہر کی سیرابی
جب اس انگارۂ خاک میں ہوتا ہے یقیں پیدا
تو کرلیتا ہے یہ بال و پر روح الامیں پیدا

میرے بزرگو، دوستو اور عزیز طلبہ! اسلام آج بھی اتنا ہی پُرکشش اور مقناطیسی اثر رکھتا ہے جتنا کہ قرنِ اول میں پرکشش تھا، انسان بوڑھا ہو جاتا ہے، صدیاں اور

زمانے گذر جاتے ہیں، انقلابات آتے ہیں، لیکن اسلام آج بھی روز اول کی طرح جوان اور بھرپور طاقت وقوت والا مذہب ہے، اس کی روحانی طاقت وقوت میں کبھی کمی نہیں آئی، اقوام بدلتی رہیں، اجسام بدلتے رہے، تہذیبیں الجھتی اور بنتی رہیں لیکن اسلام آج بھی اپنی جگہ پر اس طرح قائم ودائم ہے جس طرح حضور اکرم ﷺ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دور میں تھا، انسان کی تخلیق اللہ تعالیٰ نے حقیقی فطرت پر فرمائی ہے، اس لئے جب بھی اس کو حقیقت کا سامنا ہوتا ہے یہ خود اس کے سپرد کر دیتا ہے، اس لئے انسان مجسم فطرتِ صدق ہے اور اسلام کا بھی کمال ہے کہ جب انسان اس کو عصبیت کی عینک اتار کر دیکھتا ہے تو اس کو سینے سے لگا لیتا ہے اور اسلام اس کے سینے میں اتر جاتا ہے جیسے ماں اپنے بچے کو اپنے کلیجے سے لگاتی ہے اور بچہ کے سینہ میں ماں کی محبت جڑ پکڑ لیتی ہے، اسی طرح اسلام ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے وحی الٰہی اور وحی قرآنی کے ذریعہ اعلان فرمادیا "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ" اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے جو دین پسند کیا ہے وہ صرف اور صرف اسلام ہے۔

پوری فیملی نے اسلام قبول کرلیا

دارالعلوم محمدیہ بنگلور ۱۹۸۹ء میں قائم ہوا اور ۱۹۹۱ء میں مدرسہ کے احاطہ میں ایک عارضی اور کچی مسجد کی تعمیر شروع کی گئی، اتفاق سے مستری اور مزدور سب کے سب غیر مسلم (ہندو) تھے اور وہ لوگ ایک ہی فیملی کے تھے، مسجد کی تعمیر مکمل ہونے تک ان کو مدرسہ کے احاطہ میں ہی رہنے کے لئے جگہ دی گئی تھی، وہ صبح سے شام تک اور ہر وقت دارالعلوم محمدیہ کے اساتذۂ کرام اور طلبہ کو دیکھتے، ان کے کھانے پینے، سونے اور ان کے پڑھنے کو دیکھتے، پانچ ماہ کے مکمل عرصہ میں اسلام سے وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے سب نے اسلام قبول کرلیا، میں نے ان سے پوچھا کہ

آپ کو اسلام کی کونسی بات پسند آئی، انہوں نے کہا کہ حکیم صاحب ہم یہاں کئی مہینوں سے رہ کر تعمیر کا کام کر رہے ہیں، ہم لوگ حیران ہیں، ہم نے یہاں رہ کر آپ مسلمانوں کا برتاؤ اور حسنِ سلوک دیکھا، کھانا پینا، سونا، جاگنا دیکھا، ہم بہت متاثر ہوئے، کوئی گالی گلوچ نہیں، کوئی غصہ نہیں، کوئی لڑائی نہیں، بس ایک سسٹم بنا ہوا ہے نہایت پرسکون انداز میں دن رات گذر رہے ہیں اور آپ کی عبادت (نماز) تو بہت اچھی چیز ہے، جس کو دیکھ کر اتنا دل لگتا ہے اس کو پڑھ کر کتنا دل لگے گا، بحر حال بندہ (محمد ادریس حبان) نے اس فیملی کے آٹھ آدمیوں کو کلمۂ طیبہ اور کلمۂ شہادت پڑھایا اور اسلامی ارکان اور احکام بتائے اور مستقل تربیت کے لئے ''الـقـافة السـنة'' کیرالا بھیجا، جہاں انہوں نے تین ماہ رہ کر اسلامی تربیت حاصل کی۔ دوستو! ایسے حالات آج دنیا کے کونے کونے میں پیش آرہے ہیں اور دنیا کا ہر ذی شعور انسان اسلام کی طرف دوڑا چلا آرہا ہے۔

مغربی دنیا میں تیزی سے اسلام پھیل رہا ہے

مغربی دنیا میں اسلام بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے، لیکن بزم اغیار میں دین حق کی اس نشر و اشاعت کے پیچھے حکومتیں کام کر رہی ہیں نہ مشنریاں، بلکہ یہ اپنی نجی قوت وکشش، اپنی صداقت وحقانیت، روحانی طاقت، عقلی اور علمی دلائل و براہین اور سب سے بڑھ کر اس الٰہی روشنی کے ذریعہ پھیل رہا ہے جس سے اللہ ہر اس شخص کا دل روشن کر دیتا ہے جسے وہ اسلام کی ہدایت جیسی نعمت سے سرفراز فرمانا چاہتا ہے، جیسا کہ قرآن کہتا ہے ''فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ یَّهْدِیَهٗ یَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ وَمَنْ یُّرِدْ اَنْ یُّضِلَّهٗ یَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَیِّقًا حَرَجاً كَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ''، جس شخص کو اللہ ہدایت دینا چاہتا ہے اس کے سینہ کو اسلام کے لئے کشادہ

کر دیتا ہے اور جس کو بے راہ رکھنا چاہتا ہے اس کے سینہ کو تنگ کر دیتا ہے، جیسے کوئی آسمان میں چڑھتا ہے۔

اسلام کی فطری تعلیمات، عقلی دلائل یا پھر مسلمانوں کے بہترین اخلاق سے متاثر ہو کر جہنم سے نجات اور ہدایت کے راستے پر گامزن ہونے والوں کی تعداد میں یہ اضافہ حیرت انگیز ہے۔ کیوں کہ آج جبکہ کفر اپنے پورے وسائل و ذرائع اور ہتھکنڈے و ہتھیار کے ساتھ قبول اسلام کی راہ مسدود کرنے کے درپے ہے، مسلمانان عالم کا عرصۂ حیات تنگ کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا جا رہا ہے اور ان سب کے باوجود اگر اسلام دشمنوں کے مرکز یعنی مغربی دنیا سے حلقہ بگوش اسلام ہونے کی صدا سنائی دیتی ہے تو یقیناً یہ باعث حیرت وفرحت ہے۔

حیرت انگیز اعداد و شمار

عجیب اتفاق ہے کہ اسلام ان ممالک میں بھی تیزی کے ساتھ پھیل رہا ہے جہاں حالیہ کچھ عرصے میں اسلام کے خلاف کھلی دشمنی کا اظہار کیا گیا ہے، مثال کے طور پر ڈنمارک، حال ہی میں ڈنمارک کے ایک مؤقر ادارے کی طرف سے شائع ایک رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہوئے گیارہ ستمبر کے حادثہ کے بعد سے اب تک ڈنمارک کے ۲۵۰۰ سے زائد لوگ حلقۂ بگوش اسلام ہو چکے ہیں، حیرت کی بات یہ ہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف منفی پروپیگنڈے ہی ڈنمارک کے نوجوانوں کو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور پھر اس دین حق کو حرز جان بنانے کا اہم سبب بنے ہیں۔ مذکورہ رپورٹ میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ بہت سارے نوجوان نصرانیت سے بیزار ہو کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے ہیں۔ ڈنمارک کے ایک نومسلم کا کہنا ہے، ہم کوئی الگ راہ اپنانے والے نہیں بلکہ ہم نے حق کو پہچانا پھر

اس پر ایمان لائے ہیں۔اس کا مزید کہنا ہے کہ اسلام فطرت وحقیقت کی تعبیر ہی کا دوسرا نام ہے،اس لئے وہ (اسلام) کوئی انوکھی چیز نہیں ہے، کیوں کہ اکثر لوگ آج حقیقت پسند ہیں، مجھے امید ہے کہ آئندہ دنوں میں اسلام کو بطور مذہب اپنانے والوں کی تعداد مزید بڑھے گی، کیوں کہ اسلام واحد مذہب ہے جو فطرت اور ارتقا کے ساتھ ساتھ چلتا ہے، بعض مبصرین کی رائے میں دراصل ڈنمارک اور یورپ کے بعض اخباروں کے اسلام کے خلاف منظّم حملہ کے بعد ہی نومسلموں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا ہے نہ کہ ۱۱؍ستمبر کے حادثہ کے بعد۔

فرانس کی وزارتِ داخلہ کی رپورٹ

فرانس میں اسلام کی ’’نشرواشاعت‘‘ کے زیرعنوان ایک رپورٹ کے مطابق سالانہ ۳۶۰۰ باشندگانِ فرانس حلقہ بگوش اسلام ہوتے ہیں، فرانس کی وزارت داخلہ میں دفتر برائے دینی امور کے ایک ذمہ دار کا ماننا ہے ’’یہاں روزانہ کم ازکم دس لوگوں کے قبول اسلام کے حالات کا اندراج عمل میں آتا ہے‘‘۔صرف گذشتہ دہائی میں لگ بھگ ساٹھ ہزار فرانسیسی مسلمان ہوئے ہیں اور ماضی کی صرف دو دہائی میں اسلام فرانس کا دوسرا مذہب بن چکا ہے، فرانس میں نصرانیت کو لاحق شدید خطرات کے سدباب کے لئے ویٹکن کے پوپ کا بھی سہارا لیا گیا، لیکن اس قسم کی کوئی کوشش اسلام کی مقبولیت کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکی۔

جرمن کے اخبار کی رپورٹ

جرمنی میں وہاں کے ایک مشہور اخبار نے یہ سنسنی خیز رپورٹ شائع کی ہے کہ صرف جون ۲۰۰۴ء سے جون ۲۰۰۵ء کے درمیان لگ بھگ چار ہزار جرمن مرد وخواتین مشرف بہ اسلام ہوئی ہیں، اسی اخبار نے برلن کی ایک مسجد کے امام کا یہ قول

بھی نقل کیا کہ بہت ساری جرمن خواتین اسلام قبول کر کے مسلم مرد سے شادی کرتی ہیں، کیوں کہ نصرانیت سے ان کا اعتماد اٹھ چکا ہے، جس کی وجہ شاید پادریوں کے جنسی اسکینڈلز ہیں یا پھر تثلیث کے فلسفہ پر قائم اس مذہب کی عقائدی پیچیدگیاں۔

اٹلی میں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین ایک لاکھ سے متجاوز ہوچکی ہے، گذشتہ چند سالوں میں پچاس ہزار اطالوی مشرف بہ اسلام ہوئے ہیں، اٹلی کے اسکولوں میں زیر تعلیم بچوں کی تعداد بھی یہی ہے۔

مغرب کے چند نومسلم

مشہور جرمن مصنف وصحافی ہنری ایم برادر (عمر ۶۱ سال) کا قبول اسلام پوری یورپی دنیا خاص طور سے جرمن حلقوں میں کافی ہنگامہ خیز رہا، کیوں کہ وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اپنی جارحانہ تنقیدوں کے لئے جانے جاتے تھے، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ان کی یہ جارحیت ۲۰۰۷ء میں اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی، جب وہ اسلام لائے تو انہوں نے صاف لفظوں میں کہا کہ ’’اکثر لوگ جو اسلام کو ہدف تنقید بناتے ہیں وہ اپنے دل کی گہرائیوں میں یہ ضرور محسوس کرتے ہیں کہ اسلام ان سے اور ان کے مذہب سے کہیں زیادہ مضبوط ہے‘‘۔انہوں نے مزید کہا کہ میں نے کوئی دین نہیں چھوڑا بلکہ اس اسلام کی طرف لوٹا ہوں جو دین فطرت ہے جس پر ہر انسان پیدا ہوتا ہے۔

زندگی کا اصل رہبر اسلام ہے

اس سلسلہ میں دوسری مثال برطانیہ سے تعلق رکھنے والی ’’ریتا‘‘ کی ہے، اس کی کہانی خود اس کی زبانی یہ ہے ’’میں لندن کے ایک مسلم محلّہ میں عیسائیت کی دعوت وتبلیغ پر مامور تھی، وہاں کچھ مسلم گھرانوں سے میری بہت اچھی دوستی ہوگئی، میں ان

کے مذہب کی سادگی، عبادت کے طور طریقے اور ان کے اخلاق وعادات سے کافی متاثر ہوئی اور پھر کچھ ہی دنوں بعد مجھ پر یہ حقیقت آشکارا ہوگئی کہ ان کی زندگی کا اصل رہبر اسلام ہے، اس دوران میری ملاقات کچھ ایسے مسلم دوستوں سے ہوئی جو اسلامی دعوت کے تعلق سے بڑے پُرجوش، سرگرم اور فعال نظر آئے، انہوں نے نصرانیت، تثلیث اور اس قبیل کے بہت سارے ایسے سوالات کئے جن کے جوابات میں نے نصرانیت کی ایک مبلغہ کی حیثیت سے تو دئے لیکن خود میرے دل میں یہ جوابات غیر تشفی بخش تھے اور مجھے صاف پتہ چل گیا کہ اسلام ایک صاف ستھرا سادہ سا مذہب ہے، جبکہ نصرانیت کے اندر بہت ساری پیچیدگیاں اور گتھیاں ہیں جنہیں سلجھانا آسان کام نہیں، دھیرے دھیرے میں اسلام سے قریب ہوتی چلی گئی، اسلام کے باضابطہ اظہار سے قبل جب میں نے پہلی مرتبہ نماز پڑھی تھی تو مجھے اپنے اندر ایک انجانی سی خوشی کے سرایت کرنے کا احساس ہوا تھا، پھر میری ملاقات کچھ ان نو مسلموں سے ہوئی جو کیتھولک یا پروٹیسٹانٹ مسلک چھوڑ کر حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے، میں نے انہیں اسلام کے تعلق سے اپنے کچھ شکوک وشبہات سے آگاہ کیا، ان لوگوں نے میری پوری مدد کی اور میرے سارے شکوک وشبہات اور سوالات ختم ہو گئے اور بالآخر میں نے کلمۂ حق وکلمۂ شہادت کا اقرار کرلیا اور ایک ایسے طالب علم سے شادی کی جس نے مجھ سے اسلام کا تعارف کرایا تھا، الحمدللہ میرے چار بچے ہیں جن کی میں اسلامی خطوط پر تربیت کررہی ہوں۔

اسلام کھلاڑیوں کے دلوں کو بھی جیت رہا ہے

برصغیر میں اس کی مثال پاکستان کے معروف کرکٹ کھلاڑی یوسف یوحنا کی ہے جنہوں نے نصرانیت چھوڑ کر اسلام کو بطور مذہب اپنایا ہے، لیکن فی الحال ہماری

گفتگو کا محور مغربی دنیا ہے، اس لئے ہم وہیں کا رخ کرتے ہیں، اس سلسلہ میں سب سے واضح مثال برازیل فٹ بال ٹیم کی معروف کھلاڑی کاکا کی ہے، جنہوں نے اپنے کویت دورہ کے دوران اسلام کے موضوع پر بہت ساری کتابوں کے مطالعہ کے بعد اپنے قبول اسلام کا اظہار کیا۔

اسلام امن اور محبت کا علمبردار ہے

اس برازیلی کھلاڑی کی سرکاری ویب سائٹ پر بتایا گیا ہے کہ انہوں نے پورے اطمینان کے بعد ہی اپنے اسلام کا اعلان کیا ہے۔ مورخہ ۱۳؍اکتوبر ۲۰۰۶ء کو سعودی اخبار ''الریاضیہ'' نے کاکا کی یہ بیان بھی نقل کیا کہ ''اسلام امن ومحبت کا علمبردار ہے، آدمی کے لئے مسلمان ہونا بہتر ہے کیوں کہ ایک مسلمان دراصل اسلام کا مظہر ہوتا ہے، مجھے اپنے ایمان پر پورا اطمینان ہے، میرے مسلمان ہونے سے میرے پرفارمنس میں کمی یا میرے فٹنس میں کوتاہی قطعاً نہیں آئے گی، میں امید کرتا ہوں کہ قبول اسلام کے بعد میرے تعلق سے لوگوں کے نقطۂ نظر میں کوئی تبدیلی نہیں آنی چاہئے، میری یہ امید خاص طور سے میلان فٹ بال فیڈریشن (جس کی طرف سے میں کھیلتا ہوں) کی انتظامیہ، اس کے کھلاڑیوں نیز برازیل ٹیم انتظامیہ، اس کے کھلاڑیوں اور اپنے چاہنے والوں سے ہے''۔ حالیہ دنوں میں مشہور امریکن پاپ سنگر مائیکل جیکسن کے قبول اسلام کی خبر بھی عالم ذرائع ابلاغ نے کافی زور وشور سے نشر کی ہے، جو اس بات کی روشن دلیل ہے کہ اسلام، پیغمبر اسلام، قرآن اور عام مسلمانوں کی شبیہ بگاڑ کر دکھلانے کے باوجود مغرب کے تعفن زدہ ماحول میں گھٹن محسوس کرتی انسانیت کے لئے اسلام ہی جائے امن وسکون ہے، موجودہ انسان کو ذہنی، جسمانی، انفرادی، سماجی، سیاسی، اقتصادی غرض یہ کہ ہر قسم کا امن وچین شجر اسلام کے سایہ میں ہی مل سکتا ہے۔

اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے

اسلام لوگوں کے دلوں میں گھر کر رہا ہے تو صرف اپنی ذاتی قوت وکشش کی بدولت نہ کہ مسلمانوں کی الٹی سیدھی کوششوں کی بنا پر، یہ تو عیسائی مشنریوں کا شیوہ ہے کہ وہ سیاسی، اقتصادی اور سماجی حالات کا فائدہ اٹھا کر لوگوں کو اپنے دین کی طرف لاتی ہیں اور انسانیت کی خدمت کے نام پر دوا وغذا کے ساتھ بائبل کے نسخے بھی دیتی ہیں اور قبول اسلام کی راہ میں روڑے ڈالنے کے لئے اسلامی شخصیات واداروں پر بنیاد پرستی، دہشت گردی کا عالمی طور پر پروپیگنڈہ کرتی ہیں۔ لیکن ؎

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی وہ ابھرے گا جتنا کہ دباؤ گے

بہرحال ہماری اور آپ کی محبت سے کچھ نہیں ہو رہا ہے، یہ تو اسلام کی کشش ہے جاذبیت ہے اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے ورنہ ہمارے اعمال تو ایسے نہیں کہ جن سے غیر مسلم اپنائیت محسوس کریں، دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایسے اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے کہ جن سے معلوم ہو کہ واقعی یہ مسلمان قوم ہے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

☆☆☆

نعمتِ خداوندی

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ الْقُرْآنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ“ ۝ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ”اَنْ لَّا تَعْلُوْا عَلَیَّ وَأْتُوْنِیْ مُسْلِمِیْنَ“ ۝ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی ”اِنَّہٗ مِنْ سُلَیْمٰنَ وَاِنَّ اللّٰہُ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ“ ۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

مٹادے اپنی ہستی کو اگر کچھ مرتبہ چاہے
کہ دانہ خاک میں مل کر گل گلزار ہوتا ہے

بزرگانِ محترم نوجوانانِ اسلام اور عزیز طلبہ! اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے لئے ایک محنت اور ہر چیز کے لئے ایک قربانی رکھی ہے، جتنی محنت کی جاتی ہے اور جتنی قربانی دی جاتی ہے اتنا ہی اس کا پھل بھی ملتا ہے، انسان اپنی جان پر، اپنی جسم پر، اپنی صحت

پر، محنت کرتا ہے تو وہ پہلوان بن جاتا ہے، کاشت کار زراعت پیشہ زمین پر محنت کرتا ہے تو بہترین کسان بن جاتا ہے، بازار میں بیٹھ کر بیوپاری عقلمندی سے کام کرتا ہے تو وہ بہت بڑا تاجر بن جاتا ہے اور بڑا تاجر بن جاتا ہے، معلوم ہوا کہ جس چیز پر جتنی محنت کی جاتی ہے اتنا ہی فائدہ اس چیز سے انسان اٹھا سکتا ہے، ایک استاذ اپنے شاگرد پر محنت کرتا ہے تو وہ شاگرد چمک جاتا ہے، ایک ماں اپنے بچے پر محنت کرتی ہے تو اس کی تربیت بہترین ہو جاتی ہے، ایک شیخ اور پیر اپنے مرید پر توجہ ڈالتا ہے تو اس کے حالات بدل جاتے ہیں، یہاں تک کہ آپ دیکھتے ہیں کہ ایک بے کار بے جان پتھر پر محنت کی جاتی ہے اور اس کو گھسا جاتا ہے پھر اس میں چمک پیدا ہو جاتی ہے، وہ آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے، شیشہ کی طرح اس میں آدمی کا چہرہ نظر آنے لگتا ہے، اس لئے کہ اس پتھر پر محنت ہوئی ہے اور اسی محنت کا ثمرہ ہے کہ کہ اس پتھر میں آدمی کا چہرہ نظر آنے لگا۔

اسی طرح اگر انسان دین کے لئے محنت کرتا ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے لئے راستے کھول دیتے ہیں، ”وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ“ انسان جب جدوجہد کرتا ہے اور محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو وہ چیز عطا فرما دیتے ہیں جو چیز انسان حاصل کر لینا چاہتا ہے، آدمی جب دنیا کے لئے محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دنیا عطا فرما دیتے ہیں، صحت کے لئے محنت کرتا ہے تو اس کو صحت ملتی ہے اور انسان جب دین کے لئے محنت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو دین عطا فرماتے ہیں، میں نے قرآن مجید کی وہی آیت آپ کے سامنے تلاوت کی ہے جس میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ“ وہ آدمی کتنا اچھا ہے یا اس آدمی کی بات کتنی اچھی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے،

نیک اعمال کی طرف دعوت دیتا ہے۔ بچے پر جب کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ ماں کو پکارتا ہے اور جب شاگرد سے مسئلہ کوئی حل نہیں ہوتا تو وہ استاذ سے مدد لیتا ہے، انسان جب بیمار ہو جاتا ہے تو وہ اپنے آپ کو ڈاکٹر کی مدد کے ذریعہ ٹھیک اور درست ہونے کی کوشش کرتا ہے، لیکن جب انسان بھٹکتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی کی طاقت اور عظمت اور ذات مقدس ایسی ہے جو انسان کو راہ راست پر لاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ اس آیت کریمہ میں یہی چیز ارشاد فرماتے ہیں ”وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَى اللّٰهِ“ کہ آپ یاد کیجئے اس بات کو کہ وہ آدمی کتنا اچھا ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف بلاتا ہے، اللہ کی طرف دعوت دے رہا ہے۔ انسان یہ سمجھتا ہے کہ یہ مال میرا ہے، یہ زندگی میری ہے، یہ صلاحیت میری ہے، یہ خوبی میری ہے، یہ فصاحت وبلاغت میری ہے اور جو بھی میں اچھے کام کر رہا ہوں وہ خوبی میری اپنی ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے، یہ اللہ تعالیٰ کے خزانوں میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ودیعت فرمائے ہیں، کسی کو زبان کی سلاست عطا فرمائی اور کسی کو جسم اتنا لمبا چوڑا عطا فرما دیا، کسی کو خوبصورتی عطا فرما دی تو کسی کو مال عطا فرما دیا، کسی کو اولاد عطا فرما دی اور کسی کو بادشاہت عطا فرما دی، یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے، کسی چیز کا ملنا یہ انسان کی اپنی اپنی صلاحیت پر منحصر نہیں ہے۔

حضرت حاذق الامتؒ کا ارشاد

ہمارے حضرت حاذق الامتؒ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ انسان میں جو خوبی نظر آئے وہ منجانب اللہ ہے، انسان کوئی کوئی اچھا کام کر رہا ہے تو اس پر یہ نہ سوچے کہ یہ میں کر رہا ہوں بلکہ یہ سوچے کہ یہ اللہ کی توفیق سے ہو رہا ہے۔ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے تو کس لئے؟ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر بے پناہ احسان ہے،

حضور ﷺ نے اس چیز کو ارشاد فرمایا تو صحابہؓ نے پوچھا، یا رسول اللہ ﷺ ہمارے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی عظمت کیسے پیدا ہوگی جب کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا نہیں ہے، تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اس زمین کو دیکھو کہ کس طرح سے پھیلا دی گئی ہے ”وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ“ اور ہم نے زمین کو پھیلا دیا ہے۔ دوسری جگہ ارشاد ہے ”وَالسَّمَآءَ بَنَیْنٰهَا“ اور ہم نے آسمان کو بنادیا ہے۔ اس میں کوئی پلر نہیں اور کسی طرح کا کوئی ستون نہیں، دنیا کے کسی بھی کونے میں پہونچ جاؤ بغیر ستون کے یہ چھت قائم ہے، آپ آسمان کو دیکھو اللہ تعالیٰ کی عظمت تمہارے دل میں پیدا ہوگی، زمین کو دیکھو اس کے اندر غور وفکر کرنے سے اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا ہوگی، چاند کو دیکھو اپنے وقت پر نکل رہا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کی عظمت پیدا ہوگی، سورج کو دیکھو، ستاروں کو دیکھو، طوفانی ہواؤں کو دیکھو، بارشوں کو دیکھو، بادلوں کے غول آرہے ہیں اور برس رہے ہیں اور آسمانوں پر بجلی چمک رہی ہے، کڑک رہی ہے یہ ساری چیزیں اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہیں، انسان اتنی ساری چیزوں کو دیکھنے کے باوجود بھی اللہ تعالیٰ کی عظمت کو اگر نہ سمجھے تو وہ انسان بے عقل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ماننا چاہئے

اللہ تعالیٰ کا احسان بندہ کو ماننا چاہئے، حضور اکرم ﷺ نے اس چیز کو ارشاد فرمایا ”انسان سب سے پہلے اپنے ایمان پر شکر ادا کرے، اے اللہ! آپ کا شکر ہے کہ آپ نے مجھے ایمان والا بنایا۔ اس کے بعد پھر اعمال صالحہ کو“ قرآن نے فرمایا ”وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصَّالِحَاتِ“ اے وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال، اچھے کام کئے۔ یعنی پہلے ایمان لانا شرط ہے اور اس کے بعد اچھے کام کرنا شرط ہے اور اس کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ ہم تمہیں ان اعمال کے بدلے جنت دیں گے۔ تو

اللہ تعالیٰ کی عظمت جب بندے کے دل میں پیدا ہوجاتی ہے تو وہ گناہوں سے بچنے لگتا ہے اور نیکی کی توفیق اور اس کی رغبت اس کے دل میں پیدا ہونے لگتی ہے۔

نعمتوں کا استحضار

انسان کے پاس اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتیں ہیں، ایک آدمی ایک اللہ والے کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ حضرت میرے پاس کچھ نہیں ہے، میرے پاس کوئی دولت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے مجھے غریب بنایا ہے تو حضرت اس کو سمجھاتے ہیں کہ ایسا مت کہو! اللہ تعالیٰ نے تمہیں بہت کچھ دیا ہے لیکن تمہیں نظر نہیں آرہا ہے، انہوں نے کہا کہ حضرت مجھے تو نظر نہیں آرہا ہے آپ ہی دکھا دیجئے! فرمایا کہ اچھا ایک کام کرو تمہارے پاس پیسہ نہیں ہے، باغ باغیچہ نہیں ہے، کوئی اور چیز نہیں ہے، بنگلہ نہیں ہے لیکن تمہارے جسم میں دو ہاتھ ہیں، ایک ہاتھ کی پانچ انگلیاں دیدو اور پانچ ہزار روپئے لے لو، اس نے کہا کہ حضرت یہ کیسے ہوسکتا ہے! فرمایا کہ دونوں ہاتھوں کی دس انگلیاں دیدو اور دس ہزار روپئے لے لو! عرض کیا یہ نہیں ہوسکتا ہے! فرمایا اچھا ایک ہزار کو دس ہزار کردیتے ہیں لہٰذا دس انگلیوں کی قیمت دس ہزار کے حساب سے ایک لاکھ روپئے لے لو! عرض کیا نہیں حضرت ایسا نہیں کرسکتا، تو فرمایا کہ بے وقوف دولاکھ روپئے میں چھوٹی چھوٹی انگلیاں کاٹ کردینے کے لئے تیار نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے یہ کتنی قیمتی بنائی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں بن مانگے دی ہیں

اللہ تعالیٰ نے انسان کو بے شمار چیزیں دی ہیں اور بغیر مانگے دی ہیں، انسان کے کان کا ایک پردہ اگر چلا جائے جس سے انسان سنتا ہے، یہ سماعت کا ایسا پردہ ہے

کہ جس کے نقلی پردہ کی قیمت دو لاکھ روپئے ہے اور اس کو سرجری کرنے والا ڈاکٹر الگ پیسے لے گا تقریباً پچاس ہزار روپئے۔ کان کا ایک باریک سا پردہ پھٹ جائے تو سرجری کرنے والا ڈھائی لاکھ روپئے لے گا، تو آدمی ڈھائی لاکھ کہاں سے دے گا اور اللہ تعالیٰ نے بغیر مانگے انسان کو دیا ہے۔ انسان کی آنکھ ہے، یہ ایک ایسی چیز ہے جس سے انسان دیکھتا ہے، سمجھتا ہے، ہر چیز کو دیکھ کر اس کے حالات اس کے انوارات ہر چیز کو محسوس کرتا ہے، آدمی کی آنکھ اگر چلی جائے تو دنیا اس کی ختم ہو جاتی ہے، کون آدمی اچھا خاصا ایسا ہے کہ ایک آنکھ ایک لاکھ روپئے کے بدلے میں دیدے کوئی بھی دینے کے لئے تیار نہیں، اللہ تعالیٰ نے سر سے پیر تک ایک پورا شہر آباد کر رکھا ہے جس میں ہزار ہا قسم کی نعمتیں اللہ نے انسان کو بن مانگے عطا فرمائی ہیں جو ان نعمتوں کا انسان کو استحضار نہیں ہے اس پر کبھی غور نہیں کیا ہے، اللہ تعالیٰ نے اتنی ساری نعمتیں دے رکھی ہیں، جب انسان اللہ تعالیٰ کی عظمت پر غور کرتا ہے تو اس کی عظمت انسان کے دل میں اتر جاتی ہے۔

اگر کوئی آدمی مجھے یا آپ کو دس ہزار روپئے دیدے تو اس کی بڑی عزت و وقعت دل میں پیدا ہو جاتی ہے کہ فلاں صاحب نے دس ہزار روپئے دئے ہیں، اللہ تعالیٰ نے بے شمار نعمتیں دی ہیں ''فَبِأَيِّ آلآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَان'' اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اے انسانو! تم ہماری کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔ میں نے کتنی نعمتیں تجھے دی ہیں ''اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لاتُحْصُوْهَا'' اگر تم ہماری نعمتوں کو گننے لگو شمار کرنے لگو تو تم شمار نہیں کر سکتے، کتنی نعمتیں ایسی ہیں کہ آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں بغیر دیکھے انسان اس سے فائدہ اٹھا رہا ہے، ابھی چند سال پیشتر کی بات ہے ایک آدمی کی کڈنی چلی گئی اور وکٹوریہ ہاسپٹل میں لایا گیا، کڈنی لگانے کے لئے بائیس آدمیوں کا چیک

اپ کیا گیا لیکن اتفاق سے بائیس کے بائیس کی کڈنی اس آدمی کو نہیں لگ سکی، اس زمانہ میں ایک آدمی کے چیک اپ کرنے کے لئے کہ اس آدمی کی کڈنی لگتی ہے کہ نہیں پچیس ہزار روپئے خرچ ہو رہے تھے، بائیس آدمیوں کو لایا گیا تو آپ حساب لگایئے کہ کتنا پیسہ خرچ ہو رہا ہوگا، ابھی کڈنی نہیں لگی گردہ اس سے نکال کر ادھر فٹ نہیں ہوا ہے صرف چیک اپ چل رہا ہے ایسی بے شمار نعمتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ''اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ'' انسان کتنا نمک حرام ہے کہ ہم نے اس کو نعمتیں دی ہیں لیکن ہماری نعمتوں کا کبھی شکر ادا نہیں کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو ہماری نعمتوں پر شکر ادا کرتا ہے ہم اس کو بہت زیادہ عطا کرتے ہیں اور جو ہماری نعمتوں کا شکر ادا نہیں کرتا ہم اس سے اپنی نعمتیں چھین لیتے ہیں۔

آج ہمارے پاس کونسی صلاحیت نہیں؟

دوستو! یہی ہو رہا ہے، آج ہمارے پاس کونسی صلاحیت نہیں ہے؟ آج ہمارے پاس سب کچھ ہے لیکن ہمارے دلوں سے اللہ کی محبت اور اللہ کے رسول کی محبت نکل گئی ہے، محبت کے معنی یہ نہیں ہیں کہ زبان سے کہد یا میں اللہ سے محبت کرتا ہوں، اللہ کے نبی سے محبت کرتا ہوں، محبت محبت کہنا یا بولنے سے محبت نہیں ہو جاتی، دعوائے محبت جب درست ہوتا ہے جب محبت کے آثار افعال میں موجود ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنا ہر انسان پر فرض عین ہے اور اللہ کے نبی ﷺ سے محبت کرنا بھی ہر مسلمان پر فرض عین ہے، اگر کوئی اللہ تعالیٰ سے محبت نہیں کرتا اور اللہ کے نبی ﷺ سے محبت نہیں کرتا تو اس کا ایمان کامل نہیں ہے مکمل نہیں ہے۔ سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ جو جلیل القدر صحابی ہیں اور نبی کریم ﷺ کے خلیفۂ دوم ہیں اور اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ اگر میرے بعد کسی کو نبوت ملتی تو عمر فاروقؓ کو ملتی اور آپ

ﷺ نے فرمایا کہ جس گلی سے عمر گزر جائے اس گلی سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے سامنے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا تھا ’’جب تک میری ذات تمہارے لئے تمہاری جان و مال، عزت و آبرو، تمہارے بیوی بچوں اور تمہارے مال و منال سے زیادہ محبوب نہ ہو جائے اس وقت تک تمہارا ایمان کامل نہیں ہے، حضرت عمر فاروقؓ نے کہا قسم ہے یارسول اللہ ﷺ اللہ کی ذات کی کہ آپ ﷺ مجھے بیوی سے بھی زیادہ عزیز ہیں، بچوں سے بھی زیادہ عزیز ہیں، مال سے بھی زیادہ عزیز ہیں لیکن میری جان سے زیادہ عزیز نہیں ہیں تو عمر فاروقؓ کو اللہ کے نبی ﷺ نے پھر فرمایا کہ ابھی تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوا، فوراً استحضار ہو گیا، اندر سے ٹٹولا کہ اللہ کے نبی ﷺ نے جو فرمایا ہے وہ ہے کہ نہیں، حضور اکرم ﷺ کے فرمانے کی برکت سے اندر سے ٹٹول کر دیکھا اور کہا کہ قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو نبیٔ برحق بنا کر بھیجا ہے آپ ﷺ مجھے میری جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ عمرؓ اب تمہارا ایمان مکمل ہو گیا۔

اللہ تعالیٰ سے محبت

مسلمان کو اللہ تعالیٰ سے محبت، اللہ کے نبی ﷺ سے محبت، اس کے بعد اپنے استاذ و پیر سے محبت اور پھر اپنے والدین کے ساتھ اپنے بڑوں سے بھی محبت لازمی ہے، آپ یہ کہیں گے کہ اتنی ساری محبت جمع ہوگئی تو پھر اللہ کی محبت کہاں رہی؟ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بیٹے حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ اپنے ابا جان سے پوچھا کہ ابا جان آپ کو اللہ سے محبت ہے؟ فرمایا کہ ہاں بے شک ہے۔ کہ آپ کو ہمارے نانا جان سے بھی محبت ہے؟ فرمایا کہ ہاں ان سے بھی محبت ہے۔ کہا کہ آپ کو ہماری ماں سے بھی محبت ہے؟ فرمایا کہ ہاں بے شک ان سے بھی محبت ہے۔ کہا

کہ پھر ہم سے بھی محبت ہے؟ فرمایا کہ ہاں آپ سے بھی محبت ہے تو امام حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ابا جان آپ کا دل ہے یا ڈبّہ کہ اتنی ساری چیزیں جمع ہوگئیں، تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے بیٹے کا منہ چوم لیا اور فرمایا بیٹے تم نے کتنی بڑی بات کہی اور پھر بیٹے کو سمجھایا کہ سب سے پہلے اللہ سے محبت کرو اور اللہ کو خوش کرنے کے لئے اللہ کے نبی ﷺ سے محبت کرو اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کے فرمان کے مطابق اور ان کی رضا کے لئے تمہاری ماں سے اور تم سے یعنی اولاد سے محبت ہے۔ استاذ سے بھی محبت ہے، پیر و شیخ سے بھی محبت ہے۔ اللہ کے لئے جو انسان کا کام ہوتا ہے سب سے پہلے اللہ کی رضا اس کے بعد حضور ﷺ۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت

بہر حال میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انسان کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو سمجھنے اور ان نعمتوں کے استحضار سے پیدا ہوتی ہے، قرآن میں اللہ نے فرمایا ’’وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلاً مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ وَعَمِلَ صَالِحًا‘‘ کہ وہ آدمی کتنا اچھا ہے جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے اور کہے کہ تم اچھے اعمال کرو اور نیک اعمال کی طرف بلائے۔ ’’وَقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ‘‘ اور یہ کہے کہ میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے والا ہوں، اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مطلب کیا ہے؟ مطلب یہ ہے کہ بندہ اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی غلامی میں مکمل سونپ دے۔

آقا نے غلام سے بندگی سیکھی

پرانے زمانہ میں آدمیوں کا بازار لگتا تھا، غلام اور باندی بنا کر انسانوں کو بیچا جاتا تھا، ایک بزرگ مارکیٹ گئے ان کو ایک باندی، خادمہ یا ایک غلام کی ضرورت ہوئی،

ایک غلام خرید کر لائے، جب اس غلام کو خرید لیا تو پوچھا کہ تمہارا نام کیا ہے تو غلام نے کہا کہ جو آپ کہیں۔ کونسا کھانا پسند ہے تو کہا کہ جو آپ کھلانا پسند کریں۔ فرمایا کہ آپ کو کونسا لباس پہننا پسند ہے؟ کہا کہ جو آپ پہنانا پسند فرمائیں۔ فرمایا کہ آپ کو کونسا کام پسند ہے؟ کہا کہ جو کام آپ مجھ سے لینا چاہیں وہ مجھے پسند ہے تو حضرت رونے لگے اور فرمانے لگے کہ بندگی تو اس غلام سے سیکھو! تھوڑی سی پریشانی آ گئی تو شکوہ ہے کوئی اور مصیبت آ گئی تو شکوہ ہے کسی قسم کا اپنی مرضی کے خلاف کام ہو گیا تو شکوہ ہے حالانکہ بندہ کا کام کیا ہے؟ بندے کا کام ہے بندگی اور بندگی کے معنی ہیں اطاعت۔ بایزید بسطامیؒ نے بڑی عجیب وغریب بات فرمائی ''مؤمن کی مثال ایسی ہے جیسے مردے کی، اس کو آپ نے تختے پر لٹا دیا غسل دینے کے لئے جیسے آپ اس کو پلٹیں گے ویسا پلٹ جائے گا جیسا آپ اس کو دھوئیں گے ویسا وہ دھل جائے گا ہاتھ اٹھائیں گے تو ہاتھ اٹھ جائے گا پاؤں اٹھائیں گے تو پاؤں اٹھ جائے گا بٹھائیں گے تو بیٹھ جائے گا، مؤمن کی مثال اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے ایسی ہونی چاہئے''۔

ہمارے سارے کام رحمٰن کے خلاف ہیں اور خواہشات ہیں وہ شیطان کے ساتھ مطابقت رکھتی ہیں حالانکہ بندے ہم رحمٰن کے ہیں اور کام ہمارے سب شیطان کے ہیں، اللہ کے نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر بندے کو یہ گمان اور ضیاں پیدا ہو جائے کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی مجھے مارنے والے ہیں اور میری اس زندگی کے مالک اللہ تعالیٰ ہیں اور اس کا استحضار بندے کو صحیح معنوں میں ہو جائے تو بندہ کوئی گناہ نہ کرے، بندہ گناہ اس وقت کرتا ہے جب سمجھتا ہے کہ یہ زندگی میری اپنی ہے اور یہ صلاحیت میری اپنی ہے، مال غلط جگہ پر جب خرچ کرے گا جب انسان یہ سمجھے گا کہ یہ مال میرا ہے، اگر یہ سمجھے کہ یہ مال اللہ تعالیٰ کی امانت ہے

اس کو کبھی غلط خرچ نہیں کر سکتا تو زندگی بھی اللہ کی نعمت ہے اللہ تعالیٰ کی امانت ہے اور مال بھی اللہ تعالیٰ کی امانت اور نعمت ہے ''اِنَّمَا اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ'' انسان کا مال اور اولاد بھی کبھی کبھی فتنہ بن جاتی ہے جبکہ اس کو اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف استعمال کیا جائے ورنہ یہ مال بھی اور اولاد بھی باقیات الصالحات ہے۔

انسان جب مر جاتا ہے تو اس کی قبر میں اس کی نیک اولاد کا ثواب پہنچتا رہتا ہے، ایک آدمی شرابی بیٹے کو دنیا میں چھوڑ کر گیا ہے تو جب اس کا بیٹا شراب پیئے گا تو اس کا گناہ اس کے باپ کو ملے گا، ایک آدمی اپنے بیٹے کو نمازی چھوڑ کر مرا ہے تو جب بیٹا نماز پڑھے گا اپنے لئے لیکن اس کی نماز کا ثواب اس کے ماں اور باپ دونوں کو ملے گا اسی لئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اولاد باقیات الصالحات ہے یعنی کچھ ایسے اعمال ہیں جو ہمیشہ ہمیشہ باقی رہنے والے ہیں۔

اس لئے دوستو! اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے احسان اور اس کی نعمتوں میں مقید کر لو، انسان جب اللہ تعالیٰ کے احسان کو یاد کرتا ہے اور اس کی نعمتوں کا استحضار اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے تو پھر وہ انسان اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہیں کر سکتا، موسیٰؑ کو اللہ تعالیٰ نے تین باتیں بتائیں کہ اے موسیٰؑ! ہم نے انسان کو تین نعمتیں دی ہیں اور ان تین نعمتوں کو تین چیزوں میں قید کر دیا ہے، فرمایا کہ ہم نے انسانوں کو کھانے کے لئے اناج دیا لیکن اس کو کیڑ میں بند کر دیا ہے یعنی اس میں سرسری پیدا ہو جاتی ہے کیڑے پیدا ہو جاتے ہیں، اگر کسان کو یہ معلوم ہو کہ اس اناج میں کیڑا نہیں لگے گا تو وہ اپنے کھیت سے لا کر اپنے گھر میں رکھ لے گا کسی کو نہیں دے گا لیکن اس کو معلوم ہے کہ اگر اس کو چھ مہینے رکھ لیا تو اس میں کیڑے پیدا ہو جائیں گے اور پھر اس کو کوئی نہیں خریدے گا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے انسان کو اناج دیا لیکن اس کو کیڑے

میں قید کردیا۔ دوسری بات اللہ تعالیٰ نے یہ فرمائی کہ ہم نے انسان کو صحت دی اور صحت کو بیماری میں قید کردیا، آدمی کو اگر اللہ تعالیٰ صحت ہی صحت عطا فرمادیتے اور کوئی بیماری نہ دیتے تو آدمی آپے سے باہر ہو جاتا۔ آج بھی آپ دیکھیں گے کہ اگر کسی پہلوان میں تھوڑی سی طاقت زیادہ ہے تو وہ سینہ تان کر چلتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے انسان کو صحت دی لیکن اس کو بیماری میں قید کردیا، آدمی جب بیمار ہوتا ہے تو جھک جاتا ہے اس کے اندر عاجزی اور انکساری پیدا ہو جاتی ہے، پھر فرمایا کہ ہم نے انسان کو تیسری نعمت زندگی دی ہے اور اس کو ہم نے موت میں قید کرلیا ہے، جب آدمی پچاس ساٹھ سال کا ہو جاتا ہے تو اس کو لگتا ہے کہ میرا اویزا آنے والا ہے یہ گھر میرا نہیں ہے یہ اب کسی اور کا ہے بیٹوں کا ہے پوتوں کا ہے دیگر لوگوں کا ہے تو وہ ہر چیز کو چھوڑ دیتا ہے، اگر موت نہیں آتی تو کہتا ہے کہ سب نکلو یہ گھر تو میرا ہے لیکن ایسا نہیں ہے آدمی کی جب عمر ڈھلتی ہے اور بڑھتی ہے تو سوچتا ہے کہ اب اس دنیا سے رخصت کا وقت آگیا ہے اور بس۔

تو میں عرض کررہا تھا کہ انسان جب اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر غور کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسانات پر انسان غور کرتا ہے تو نہایت حقیر ہو جاتا ہے اور اس زندگی کو جب انسان حقیر سمجھتا ہے تو پھر وہ زندگی جو آخرت والی زندگی ہے وہ اس کے سامنے آجاتی ہے جو ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے جس کی تیاری کے لئے انسان کو دنیا میں بھیجا گیا ہے اور وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہنا پڑے گا۔ فرمایا کہ یہ دنیا بہت تھوڑی سی ہے "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ" اور "لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ" ان غیر مسلموں کی بستیوں کو محلوں کو ان کی بلڈنگوں کو ان کی کاروں کو اور ان کے بزنسوں کو دیکھ کر دھوکے میں نہ آجانا کہ بڑی چمک دمک ہے، فرمایا کہ یہ سب دھوکہ ہے ہم نے ان کو بہت تھوڑی سی دنیا دی

ہے آخرت میں ان کا کچھ بھی نہیں ہے "ثُمَّ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ" آخرت میں ان کے لئے جہنم ہی جہنم ہے۔ "وَبِئْسَ الْمِهَادُ" یہ ان کے لئے برا ٹھکانہ ہے۔ "لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ" بالآخر آخرت ان لوگوں کے لئے ہے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں جو تقویٰ اختیار کرنے والے ہیں، اللہ تعالیٰ سے محبت کرنے والے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ" ہم نے ان کے لئے ایسی چیزیں رکھی ہیں کہ ان کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے، آج آدمی بلڈنگوں کو دیکھ کر عش عش کرتا ہے، جائیدادوں کو دیکھ کر عش عش کرتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ" ہم نے جنتی کیلئے جو رکھا ہے اس کا تصور دنیا میں کہیں نہیں، اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت آخرت کے لئے بنائی ہے اور یہاں رہ کر آخرت کی تیاری کرنی ہے۔

دوستو! اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو ایمان والا بنایا ہے اور ایمان عطا فرمایا ہے اور اس کے بعد عمل صالح کی توفیق دی، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے جب ہم فائدہ اٹھا رہے ہیں تو اس کی بندگی بھی کریں، عبادت بھی کریں، اس عبادت سے اللہ تعالیٰ کو کوئی ذاتی فائدہ نہیں بلکہ وہ فائدہ بھی ہمارا ہی ہے کہ اس کے ذریعہ ہم اپنی آخرت بنانا چاہتے ہیں۔

دعا فرمائیے اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو اور دنیا کے سارے مسلمانوں کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، اخلاص عطا فرمائے، اپنی محبت نصیب فرمائے، اپنے محبوب اور پیارے آقا ﷺ کی سچی محبت کے ساتھ اعمال صالحہ کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆☆☆

امانت داری اور رزق حلال

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی فِی الْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "فَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ خَیْراً یَّرَہٗ ۝ وَمَنْ یَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّۃٍ شَرّاً یَرَ ۝ وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی "اَنْ تُؤَدُّ الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا"۝ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہے پرواز میں کوتاہی

بزرگانِ محترم نوجوانانِ اسلام عزیز طلبہ! اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لئے اپنی لاکھوں ہزاروں اور کروڑوں نعمتوں کو اس دنیا میں پھیلا رکھا ہے اور نچھاور کر رکھا ہے، حضور سرورِ کائنات ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت جبرئیل سے پوچھا کہ کیا میرے دنیا سے پردہ کرنے کے بعد بھی دنیا میں آیا کرو گے حالانکہ قرآن سے اس کا ثبوت ہے کہ جبرئیل دنیا میں آتے رہتے ہیں، سورۃ القدر میں اللہ نے خصوصاً حضرت جبرئیل کا

ذکر فرمایا، وہ اس اعتبار سے کہ جب بھی شبِ قدر واقع ہوتی ہے تو جبرئیل ہزاروں اور لاکھوں فرشتوں کے ساتھ آسمان سے دنیا میں آتے ہیں تو یہ آنا مخصوص اوقات میں اللہ نے ان کے لئے متعین فرمایا۔ یہ حضور اکرم ﷺ کو بھی معلوم تھا کہ وفات کے بعد جبرئیل موقع بہ موقع دنیا میں آئیں گے جب کہ سورۂ نجم میں اللہ نے جبرئیل کے آنے کو بیان کیے ہے، لیکن وہ مخصوص تھا وحی الٰہی کو لے کر آنے کے زمانہ میں، جبرئیل کے بارے میں اللہ نے فرمایا "عَلَّمَہٗ شَدِیْدُ الْقُوٰی" نہایت ہی زبردست اور طاقت والے۔ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ جبرئیل سے فرمایا: آج تم ہم کو اپنی اصل شکل میں ظاہر کر کے بتلاؤ کہ تم کو اللہ نے کیسا بنایا، مکہ مکرمہ سے باہر کسی وادی میں حضور اکرم ﷺ کا قیام تھا، اس وقت حضور ﷺ نے یہ فرمائش کی تو آپ ﷺ سے جبرئیل نے کہا کہ آپ ﷺ اپنا چہرہ مبارک دوسری طرف پھیر لیجئے! حضور ﷺ نے چہرہ ادھر کیا تو جبرئیل نہ کہا کہ اب دیکھ لو، دیکھا تو جبرئیل کے دو پر ہیں اور وہ اتنے زبردست ہیں کہ پورے زمین و آسمان پر چھائے ہوئے ہیں اور ان کا قد آسمان سے ملا ہوا ہے، حدیث میں آتا ہے کہ زمرد سے اللہ تعالیٰ نے جبرئیل کے پر کو بنایا، زمرد ایک ہیرے اور موتی کی قسم ہے جس طرح آدمی لعل اور گوہر کو محبوب سمجھتا ہے اسی طرح سے زمرد بھی ایسی چیز ہے جو بہت زیادہ قیمتی ہے، اللہ تعالیٰ نے جنت کے تذکرہ میں اس کا ذکر فرمایا ہے، یاقوت اور زمرد کے کھونٹے گڑے ہوئے ہوں گے۔

حضور ﷺ کے بعد جبرئیل کا دنیا میں آنا

جبرئیل سے حضور اکرم ﷺ نے پوچھا کیا میری وفات کے بعد بھی دنیا میں آؤ گے انہوں نے کہا کہ ہاں یا رسول اللہ ﷺ مقررہ اوقات کے علاوہ دس ایسے عام اور خاص مواقع پر میں دنیا میں آؤں گا، شبِ قدر کے علاوہ اور ایک لمبی حدیث ہے

اس میں ایک بات یہ فرمائی کہ جب بھی میں آؤں گا تو اسلام کی ایک چیز اٹھا کر لے جاؤں گا، دس چیزوں کو بیان کیا، ایک مرتبہ آؤں گا تو امانت کو اٹھا کر لے جاؤں گا پھر آؤں گا تو شرم وحیا کو اٹھا کر لے جاؤں گا اور پھر آخیر میں کہا کہ دسویں چیز قرآن مجید ہے جس کو اٹھا کر آسمان پر لے جاؤں گا، اس کے بعد قیامت آجائے گی۔ حضور اکرم ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے زمانہ جاہلیت ہی میں ''اَمِیْن وَصَادِقْ'' دو لفظ آپ کے نام مبارک اور آپ ﷺ کی ذات کے ساتھ لگا دئے، وہ کفار مکہ جو دن رات بے ایمانی کرتے تھے، یتیموں اور بیواؤں کا مال ہڑپ کرتے تھے اور مال میں حلال وحرام کی تمیز نہیں رکھتے تھے انہوں نے مکہ کے ایک نوجوان احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ ﷺ کو نبوت ملنے سے پہلے ہی کہا کہ آپ امین بھی ہیں اور صادق بھی ہیں یعنی آپ ﷺ امانت دار بھی ہیں اور سچے بھی ہیں کیوں کہ امانت داری اور سچائی یہ انبیاء اور صالحین کی وراثت ہے اور یہ ان کی صفت خص ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں اور قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک دنیا میں امانت داری اور دیانت داری رہے گی۔

آج نمازی صرف آٹھ فی صد ہیں

آج ہمارے یہاں جہاں دین کے بہت سارے شیرازے بکھر چکے ہیں جیسے نماز کے لئے ہمارے پاس پانچ یا سات پرسنٹ لوگ نمازی رہ گئے ہیں باقی نائنٹی ٹو پرسنٹ پورا کا پورا طبقہ مسجد کے باہر ہے، قوم جس کا دسواں حصہ بھی مسجد میں نہ آئے اور اپنی من مانی زندگی گذارے اس قوم کو آپ دیندار قوم کیسے کہہ سکتے ہیں، میں کسی فرد کا نام لے کر نہیں کہہ رہا ہوں لیکن آج دیکھئے آپ ہندوستان میں کتنے سادھوایسے ہیں کتنے مٹھ اور پجاری ایسے ہیں کہ ان کے بیانات اور خیالات سننے کے لئے لاکھوں

کا مجمع ہوتا ہے، ان کے کرتن اور مختلف پروگرام ہوتے ہیں، حالانکہ ان کا سب کچھ باطل ہے ان کا خرچ کرنا اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول نہیں، قبولیت کی کنجی ''لَا اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلَ اللّٰـہِ ﷺ'' ہے جس کے پاس یہ کنجی نہیں اس کے سارے اعمال اللہ کے یہاں نامقبول، لیکن وہ آج ہم سے زیادہ دھارمک، ہم سے زیادہ مذہبی اور ہم سے زیادہ اصول پسند ہو رہے ہیں جو دنیا کی امانت کے لئے اور دنیا کی قیادت کے لئے ایمانداری اور دیانت داری کو پھیلانے کے لئے اور رشوت خوری کو مٹانے کے لئے خیانت اور دوسرے برے معاملات کو مٹانے کے لئے مسلمان آیا تھا آج خود ان ساری چیزوں میں ملوث ہے۔

مسلمان دنیا کا قائد تھا

بڑے بڑے دیندار لوگ ہمارے یہاں جو اساتذہ کرام تھے اساتذہ کے اساتذہ بڑے بڑے اساتذہ جن کو اللہ تعالیٰ نے بہت زیادہ تقویٰ اور ورع عطا فرمایا تھا ان کی عجیب وغریب حال تھی۔ سیدنا حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے ہوئے ہیں رات کا وقت ہے خلافت کا کام انجام دے رہے ہیں کوئی ایک خاص آدمی آپ سے ملنے کے لئے آگئے تو آپ نے چراغ بجھا دیا کہا کہ کیوں امیر المومنین آپ چراغ بجھا رہے ہیں فرمایا کہ یہ چراغ خلافت کے کاموں کے کرنے کے لئے ہے ہماری اور تمہاری باتوں کے کرنے کے لئے نہیں ہے، یہ مسلمان کا مال ہے اس چراغ سے خلافت اور مسلمانوں کے کام کو انجام دیا جائے اور اب میں اور تم بات کر رہے ہیں تو اب اس چراغ کو جلا کر بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ یہ ہے وہ امانت داری جس کا حضور اکرم ﷺ نے سبق دیا، اسی کی ایک چھوٹی سی مثال ہے حضرت مولانا قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ (اللہ تعالیٰ حضرت والا کے درجات کو بلند فرمائے) پورے ایشیاء پر

حضرت کا بڑا احسان ہے، حضرت علیہ الرحمہ بیٹھے ہوئے تھے سبق کا وقت ختم ہو گیا چھٹی ہو گئی مدرسہ کے طلبہ چلے گئے کلاس میں اکیلے بیٹھے ہوئے ہیں کچھ مطالعہ فرما رہے ہیں تو ایک صاحب آپ سے ملنے کے لئے آئے کہا کہ کیوں آئے ہو؟ کہا کہ آپ سے ملنے کے لئے آیا ہوں، کہا کہ ٹھیک ہے تو سب سے پہلے آپ نے بینچ ایک طرف رکھی کتاب ایک طرف رکھی اور جس چٹائی (حصیر) پر بیٹھے ہوئے تھے اس کو لپیٹ کر ایک طرف رکھا اور اپنا رومال بچھا کر بیٹھ گئے اور کہا کہ اس پر بیٹھو! کہا کہ حضرت اس سے اچھی تو وہ چٹائی بچھی ہوئی تھی فرمایا کہ وہ مدرسہ کی تھی، چٹائی اس لئے دی ہے کہ بچوں کو پڑھاؤں اور اب جب بچوں کو پڑھا نہیں رہا ہوں مجھے آپ سے نجی گفتگو کرنا ہے اس لئے اب چٹائی پر بیٹھنا جائز نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ایسے بھی نہایت برگزیدہ بندے تھے۔

امانت داری کی مثالیں

پاکستان کے جو گورنر سب سے پہلے بنے مجھے ان کا نام اس وقت یاد نہیں، میں نے نقوش عالم میں بھی ان کا تذکرہ کیا ہے کہ وہ نہایت ایماندار تھے اس لئے گورنر پاکستان ان کو بنا دیا گیا لیکن ظاہر بات ہے آج کے اس سودخوری کے دور میں کسی ایماندار آدمی کا بے ایمان کی جگہ بیٹھنا بہت مشکل ہے، جب انہوں نے دیکھا کہ یہاں پر ایمانداری نہیں ہے تو انہوں نے یہ کہہ کر استعفیٰ دیدیا کہ میں پاکستان کی گورنری کے لائق نہیں ہوں، کہا کہ گورنر صاحب آپ کا اپنا سامان کہاں ہے؟ کہا کہ میرا سامان گھر میں ہے اور پھر اپنی جیب سے قلم نکالا اور اس کی روشنائی دوات میں انڈیل دی اور پھر کہا کہ یہ روشنائی حکومت کی تھی اس لئے کہ اس سے حکومت کا کام کرتا تھا اس کے علاوہ میرے پاس کچھ نہیں ہے چونکہ میرے پین میں حکومت کی روشنائی تھی اور میں استعفیٰ

دے چکا ہوں اب اس کا استعمال کرنا جائز نہیں رہا۔ یہ امانت داری اور دیانت داری کی وہ مثالیں ہیں کہ جب آدمی دیانت داری اور امانت داری پر قائم رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو چھوٹی چھوٹی چیزوں کا بھی ادراک اور شعور عطا فرماتے ہیں۔

سید الطائفہ قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے پیر و مرشد ہیں، الحمد للہ اس ناکارہ کو حضرت کے حجرہ میں اور حضرت کے پلنگ پر سونے کا برسوں اتفاق رہا۔ حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے تعلق سے آتا ہے کہ ایک مرتبہ جب بیت الخلاء گئے تو دیکھا کہ ناخن پر روشنائی لگی ہوئی ہے اس زمانہ میں قلم روشنائی میں ڈبا کر لکھتے تھے جیسے اس زمانہ میں پین ہے اس طرح سے نہیں، حضرت فوراً باہر آ گئے اس روشنائی کو دھویا اور پھر استنجے کے لئے گئے۔

حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ جو شیخ الحدیث مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے والد تھے اور حضرت گنگوہی علیہ الرحمہ کے خادم تھے حضرت کی جوتیاں سیدھی کیا کرتے تھے چائے بنا کر دیا کرتے تھے تو مولانا یحییٰ صاحب نے پوچھا کہ حضرت اتنی سی روشنائی کا معمولی سا نقطہ آپ کے انگوٹھے پر لگ گیا تو اس کو دھونے کے لئے کیوں باہر آئے وہ اجابت کے بعد ہاتھ دھونے سے خود بخود دھل جاتا فرمایا کہ تم سمجھے نہیں اصل میں اس نقطہ کا تعلق بھی علم سے ہے یہ ایک نقطہ بھر روشنائی غلطی سے انگوٹھے پر گر گئی اگر یہ انگوٹھے پر نہ گرتی قلم میں لگی رہتی تو اس سے بھی کوئی نہ کوئی حرف بنتا یا لکھا جاتا۔ تو معلوم ہوا کہ اس نقطہ کا تعلق بھی علم سے ہے اور بیت الخلاء میں جا کر اس کو دھونا اور اس کو صاف کرنا یہ علم کی توہین ہے، سبحان اللہ! الہ تعالیٰ نے حضرت کو کیسا شعور عطا فرمایا تھا۔

طہارت کے متعلق عظیم مثال

حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال ہوگیا تو حضرت کی ایک انگلی ایسے تھی یعنی بالکل سیدھی، بڑے بڑے علماء حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ اوران کے بعد حضرت شیخ الہند تشریف لائے، حضرت مولانا حسن احمد مدنیؒ، حضرت مولانا مرتضٰی حسنؒ چاند پوری، حضرت مولانا خلیل احمد صاحبؒ انبیٹھوی اور اپنے زمانے کے بڑے بڑے اکابر کسی کو سمجھ میں یہ بات نہیں آئی، جب حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ بھی تھانہ بھون سے پہنچے یہ سب حضرات حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے شاگرد ہیں۔ اب اس انگلی کو سیدھی کرتے ہیں تو دوسری انگلیاں سیدھی نہیں ہوتیں اور اس انگلی کے متعلق کسی کی سمجھ میں یہ بات نہیں آرہی تھی کہ یہ انگلی ایسی کیوں ہے حالانکہ انتقال ہو چکا ہے تو آپ کے صاحبزادہ حضرت مولانا مسعود احمد صاحبؒ بھی بڑے حکیم اور زبردست عالم تھے صاحبِ نسبت بزرگ باپ کے بیٹے تھے انہوں نے کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ حضرت کی اس انگلی پر شاید کوئی ناپاک چیز لگی ہوئی ہو جس کو حضرت نے محسوس کیا ہو اس لئے انگلی کو الگ رکھا ہے تو ایک کٹورے میں پانی لایا گیا اور اس انگلی کو جیسے ہی دھو کر صاف کیا تو ہاتھ خود بخود صحیح ہوگیا، جب آدمی ایماندار بنتا ہے تو خدا کی قسم اس کی زندگی ہی میں نہیں اس کے مرنے کے بعد بھی اس کے اثرات ظاہر ہوتے ہیں لیکن ضروری ہے کہ آدمی پہلے اندر سے ارادہ تو کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ امانت داری مومن کی سب سے خاص الخاص صفت ہے۔

جو امانت دار نہیں وہ مسلمان نہیں

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ج وامانت دار نہیں وہ ہم میں سے نہیں (یعنی مسلمان نہیں) امانت داری کا مطلب ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے آپ کے پاس سو

روپئے لا کر رکھے دس دس کے نوٹ یا بیس بیس کے تو آپ کی ذمہ داری ہے اور آپ کے لئے امانت کا تقاضا ہے کہ اب اس کو ایسے ہی رکھیں، وقت آیا تو سو کا نوٹ اس میں رکھا اور دس دس کے نوٹ اس میں سے نکال لئے یہ بھی خیانت ہے اس کا بھی گناہ ہے۔ آدمی کمپیوٹر سے کام کرتا ہے آج دہشت گردی کے معاملے میں دہشت گردی کا استعمال ہو رہا ہے اور پولیس اور مخبر وحکومت اس کے لئے کمپیوٹر سے کام لے رہے ہیں تو بڑے بڑے مجرموں کے چھکے چھوٹ رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کمپیوٹر ہے وہ عجیب وغریب ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:" فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْراً يَرَهُ ، وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرّاً يَرَهُ ایک ایک ذرے کا حساب جو اچھائی ہوگی اس کا بھی اور جو برائی ہوگی اس کا بھی اللہ تعالیٰ کی یہاں حساب ہوگا۔ جب کہ ہمارے یہاں ایسے بھی حضرات موجود ہیں جو دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں، صبح میں جاتے ہیں سائن کرتے ہیں حکومت کے ملازم ہیں مجھے کسی پر کوئی اعتراض نہیں لیکن جب دین کی بات آتی ہے تو دین کی بات کہنے میں کوئی مجھے عذر نہیں کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہو جائے، ڈیوٹی پر جا کر سائن کرتے ہیں حکومت کے ملازم ہیں اس کے بعد کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے راستہ میں لگے ہوئے ہیں، صبح کو دستخط کر دئے مولانا صاحب نے حاجی صاحب نے داعی صاحب نے خطیب صاحب نے کہ بس میں اب دین کا کام کروں گا صبح کی حاضری ہوگئی رجسٹر میں پھر کہیں بھی پھر کوئی کام نہیں اس سے حاصل ہونے والی جتنی بھی تنخواہ ہے وہ ساری کی ساری حرام ہے۔

حضرت تھانویؒ کا اہم واقعہ

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے ایک بڑے عالم دین کو خلافت دی اپنا نائب بنایا وہ جب ایک مرتبہ آپ کی خدمت میں آئے تو

کہا کہ حضرت بچے کو آپ کی خدمت میں دعا کے لئے لے کر حاضر ہوا ہوں، فرمایا خوشی کی بات ہے پھر فرمایا کہ اس کی عمر کیا ہے؟ عرض کیا حضرت اس کی عمر تو تیرہ سال ہے فرمایا تم نے اس کا ٹکٹ بھی لیا ہے یا نہیں؟ ٹرین سے آئے ہو کہا کہ حضرت ٹکٹ تو اس کا اس لئے نہیں لیا کہ یہ گیارہ سال کا لگتا ہے اور گیارہ سال کے بچے کا ٹکٹ نہیں ہے۔ (اس زمانہ میں گیارہ سال تک کے بچے کا ٹکٹ نہیں تھا) تو حضرت نے فرمایا کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" مولانا آپ نے دین کو سمجھا ہی نہیں آپ نے چند پیسے کے فائدہ کی خاطر حکومت کا نقصان کیا ہے آپ جب بچے کو لا رہے ہیں تو بچے کا ٹکٹ آپ کو لینا تھا آپ نے نہیں لیا، جب کہ تیرہ سال کے بچے کا ٹکٹ لینا ضروری ہے جب آپ دو آنہ تین آنہ میں بے ایمانہ کر سکتے ہیں تو بڑی بڑی چیزوں کے معاملے میں آپ کتنی بے ایمانی کرتے ہوں گے حضرت نے فرمایا کہ مجھ سے غلطی ہوگئی اللہ معاف فرمائے میں نے خلافت آپ کو دی تھی اسے واپس لیتا ہوں بس اتنی سی بات پر حضرت نے فرمایا کہ جاؤ تم ہماری شاگردی میں رہنے کے لائق نہیں ہو جو آدمی دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔

ایک متقی عورت کا واقعہ

یہ اس زمانہ کے اکابرین کا معاملہ ہے کیسے کیسے حضرات تھے کتنی ایمانداریاں ہوتی تھی۔ دنیا میں یہ تو علماء کی بات ہے دوستو! ایک بات کہہ کر بات ختم کرتا ہوں حضرت تھانویؒ نے یہ واقعہ لکھا ہے اور امام غزالیؒ نے بھی لکھا ہے اور اس واقعہ کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے بھی لکھا ہے بہت سارے اکابر نے اس واقعہ کو کئی طریقوں سے لکھا ہے اس زمانے کے تاجر بھی بڑے اللہ والے ہوتے تھے آج ہمیں اور آپ کو موقع ملتا ہے تو دو آنہ چار آنہ پانچ روپئے کے لئے بھی بے ایمانہ کر لیتے ہیں ایک تاجر

کے متعلق لکھا ہے کہ یہ صاحب تجارت کے لئے باہر جایا کرتے تھے تو مہینے میں گھر واپس آیا کرتے تو کما کر خوب لاتے بڑے تاجر تھے بچوں اور بیوی کے لئے تحفے لاتے گھر کے لئے بہت سارا سامان لاتے۔

بیوی نے چند دنوں کے بعد محسوس کیا کہ اب پہلے والی کچھ محبت نہیں رہی پہلے والے وہ جذبات نہیں رہے حق تو پورا ادا ہو رہا ہے سامان بھی سب لے کر آرہے ہیں تجارت بھی چل رہی ہے لیکن مجھ سے جتنا قلبی تعلق ان کو تھا اس میں کچھ کمی آگئی ہے...... کہ عورتیں بڑی شک وشبہ والی ہوتی ہیں لیکن اس زمانہ کی عورتیں بھی بڑی دیندار ہوا کرتی تھیں آج ہماری عورتیں شوہروں ہی سے جھوٹ بولتیں ہیں، ماں باپ سے جھوٹ بولتی ہیں اولاد سے جھوٹ بولتی ہیں اس لئے کہ آج کے معاشرہ میں جھوٹ بولنا برائی نہیں ہے، جھوٹ کو بہت ہی معمولی چیز سمجھتے ہیں۔ اب وہ صاحب واپس آرہے ہیں جارہے ہیں مہینے دو مہینے میں، لیکن وہ دلچسپی بیوی کے ساتھ نہیں ہے جو پہلے ہوا کرتی تھی، بیوی نے ایک بڑھیا کو بلایا جو بہت ہوشیار تھی اس کو کہا کہ مجھے ایسا لگتا ہے کہ میرے شوہر نے کہیں دوسرا نکاح تو نہیں کر لیا ہے۔ لہٰذا تم ان کے پیچھے لگ جاؤ اس زمانہ میں ایسی عورتیں بہت مل جاتی تھیں آج اس دور میں بھی اس طرح کے لوگ بہت ہیں تو اس بڑھیا نے اس تاجر کا پیچھا کیا کہ جب یہ یہاں سے چلا تجارت کے لئے تو اس بڑھیا نے بھی ایک سواری لی اور پیچھے پیچھے چل دی، دو چار گاؤں گزرنے کے بعد ایک گاؤں میں پہنچے اور ایک گھر میں داخل ہوگئے تو بڑھیا نے اندازہ لگایا کہ تاجر کی بیوی کی جو بات ہے وہ صحیح ہے اس نے دوسری شادی کر لی ہے کیوں کہ تجارت کے لئے اس کو جانا ہوتا تو یہ منڈی میں جاتا، بازار میں جاتا، چنانچہ اس نے اس مکان پر نشان لگا لیا اور دو چار دن وہیں رہی اور دیکھتی رہی کہ کب اس کے شوہر باہر نکلتے ہیں جب شوہر گھر

میں نہیں تھا تو یہ بڑھیا مانگنے والے کی حیثیت سے اس گھر میں آئی کہ دو مائی اللہ کے واسطے! اور اس بڑھیا نے باتوں باتوں میں اس سے کہا بیٹی تم بہت اچھی ہو تمہاری شادی ہوگئی ہے کیا، کب ہوئی ہے؟ تو اس لڑکی نے کہا کہ میں نے ابھی کچھ دن پہلے شادی کی ہے فلاں تاجر سے جو فلاں جگہ کے رہنے والے ہیں۔

اب اس کو معلوم ہوگیا یہ واپس ہوگئی اور بیوی کو بتایا کہ تمہارا جو شک ہے وہ صحیح ہے، تاجر نے دوسری شادی کر رکھی ہے اور فلاں گاؤں میں ہے اور فلاں نام ہے اور اس طرح سے ہے لیکن بیوی بھی اتنی فرمابردار اور اتنی تحمل و برداشت والی تھی کہ کبھی شوہر سے ذکر نہیں کیا زندگی میں، کہا کہ یہ شوہر کا حق ہے اس کی مرضی ہے ایک شادی کرے یا دو میرا تو وہ حق ادا کر رہا ہے اچانک دو چار سال بعد شوہر کا انتقال ہوجاتا ہے تو بیوی حساب لگاتی ہے کہ کتنا پیسہ چھوڑ کر گیا ہے تاجر شوہر کتنا مال چھوڑ کر گیا ہے تو اس نے حساب لگایا اور آدھا مال ایک پوٹلی میں جمع کیا اور اس بڑھیا کو بلایا اور کہا کہ دیکھو دو بیویاں تھیں اللہ تعالیٰ دیکھ رہے ہیں مرنے والے کو دو بیویاں تھیں مجھے معلوم ہے میں نے اس عورت کو دیکھا نہیں لیکن وہ عورت بھی ان کی بیوی تھی لہٰذا اس مال میں ان کا بھی حصہ ہے لو یہ آدھا مال تم اس کو دے کر آؤ!

دوسری متقی عورت کی ایمانداری

ہے کوئی آج ایسی عورت دوستو! یہ بہت بڑی بات ہے مردوں میں بھی آج کوئی ایسا نہیں ہے، ہم تو یہ بات کہتے ہیں کہ جو دین کا کام کرنے والے لوگ ہیں وہ بھی اس طرح کے نہیں ہے۔ جب یہ بڑھیا اس مال کو لے کر پہنچتی ہے تو وہ عورت بڑی تواضع کرتی ہے اور بڑی خاطر و مدارت کرتی ہے اور پوچھتی ہے آپ اس میں کیا لائیں ہیں کہا کہ بہت سامان لائی ہوں آپ کے لئے خیر میں بعد میں بتاؤں گی، کھانے

سے فارغ ہونے کے بعد اس پوٹلی کو کھولا اس میں بہت سارا سونا چاندی اور بہت سارا سامان جو اس کے حصہ کا پورا مال تھا کہا کہ بیٹی بہت افسوس کے ساتھ کہہ رہی ہوں کہ تمہارے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور جو تمہاری سوکن ہے اگرچہ تمہاری ملاقات نہیں ہے لیکن وہ بہت ایماندار عورت ہے اس نے آدھا مال تمہارے لئے بھیج دیا ہے تمہارا بھی حصہ ہے چونکہ تمہارا بھی شوہر ہے، اب دیکھئے آپ یہ عورت بھی بڑی ایماندار تھی اس نے کہا کہ "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" مرنے والے بہت نیک آدمی تھے اللہ والے تھے بہت اچھے تاجر تھے لیکن افسوس کہ مرنے سے چند دن پہلے انہوں نے مجھے طلاق دی دی تھی لہٰذا اب اس مال میں میرا حصہ نہیں ہے، اللہ اکبر!

آج دیانت داری کا فقدان

عورتوں کے اندر اتنی ایمانداری اتنی دیانت داری اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی لوگوں کے لئے فرمایا: "اِنْ تُؤَدُّ الْاَمٰنٰتِ اِلٰی اَھْلِھَا" تو اس عورت نے کہا اس مال میں سے اس پیسہ میں سے ایک حبہ بھی میرے لئے جائز نہیں ہے چونکہ میرے شوہر نے مجھے چند مہینے پہلے طلاق دیدی تھی اور جب طلاق ہوگئی تو میرا اس کے مال میں کوئی حصہ نہیں رہا لہٰذا یہ مال واپس لے جاؤ اور ان کو کہو کہ تمہارا مال تمہیں مبارک ہو۔

میں یہ عرض کر رہا تھا کہ آج امانت داری ہمارے اپنے سماج سے ہمارے اپنے معاشرے سے ہمارے اپنے کلچر سے ہمارے اپنے مزاجوں سے نکل چکی ہے اور ہم امانت داری کو بے وقوفی سمجھتے ہیں بات بہت لمبی ہوجائے گی بہرحال بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ امانت داری جب تک انسان اختیار نہیں کرے گا اس کا ایمان مکمل نہیں ہوگا امانت داری کے بغیر روزہ بھی بے کار نماز بھی بے کار تمام عبادات بھی بے کار، آئندہ اگر موقع ملا تو انشاء اللہ تعالیٰ اس موضوع پر مزید عرض کیا جائے گا، دعا

فرمائیے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو ایمانداری کے ساتھ زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اور حرام اور مشتبہ مال اور معاملوں سے بھی ہماری حفاظت فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْن

☆☆☆

اتباع رسول اکرم ﷺ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہ وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلاَمُ عَلیٰ مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَہٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فِیْ الْقُرْآن الْمَجِیْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِیْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ "وَما ارسلناک الا رحمة اللعالمین "ؕ صَدَقَ اللّٰہُ الْعَظِیْم.

محمد مصطفیؐ کی زندگی تفسیر قرآں ہے

محمد مصطفیؐ کی پیروی ہی جان ایماں ہے

بزرگان محترم نوجوانان اسلام! جیسا کہ گذشتہ جمعہ عرض کیا گیا تھا کہ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک اور سیرت مبارکہ کے ہزاروں معجزات اور پھر آپ ﷺ کی عادت شریفہ ہزاروں، مثالیں تمثیلیں ہزاروں، معجزات اور آپ ﷺ کی فضیلت سے کا احاطہ ناممکن ہے، ان سب سے قطع نظر صرف حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک کا ایک جملہ یا ایک مفہوم کو بھی اگر اپنا لیں تو انسان کی زندگی نہ صرف کامیاب ہو بلکہ

آخرت بھی کامیاب ہوگی، اللہ تعالیٰ نے بڑے بڑے علماء پیدا فرمائے اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت پاک پر بڑی بڑی کتابیں لکھیں گئے اور بڑے بڑے وعظ ہوئے اور بڑی فضیلتیں بیان کی گئیں لیکن حق یہ ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کی مثال تو ایسی ہے کہ آدمی ایک ایسے چمن میں پہنچ جائے جہاں ہزاروں قسم کے پھول ہوں اور ہزاروں قسم کے ان پھولوں کے رنگ ہوں خوشبو ہوں، آدمی ان پھولوں کو دیکھ کر دنگ رہ جائے، مالی اگر اس کو یہ اختیار دیدے کہ تم جو چاہو اس میں سے پھول لے لو لیکن ایک ہی پھول لینا تو اس کو یہ فیصلہ کرنا مشکل ہوجائے گا کہ میں اتنے پھولوں میں سے کونسا پھول چنوں، اس لئے کہ اس میں قسمہا قسم کے رنگ برنگے خوشبودار مہک اور معطر کردینے والی چیزیں دل ودماغ کے اندر بسنے والی چیزیں اس میں نظر آرہی ہیں تو آدمی کے لئے یہ فیصلہ مشکل ہوجاتا ہے کہ میں کونسا پھول اپناؤں تو حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارکہ کا جو گلدستہ ہے وہ اتنا عظیم الشان ہے اور اتنا عظیم المرتبت ہے کہ آپ اس گلدستے میں سے کونسا پھول اور کونسا پتہ اور کونسا حصہ اپنا لینا چاہتے ہیں یہ مشکل ہوجائے گا۔

مولانا جلال الدین رومیؒ کا علم

حضرت رومی کے متعلق آتا ہے کہ لوگوں نے کہا کہ حضرت آپ ''والضحیٰ'' کی تفسیر فرمائیں جس میں حضور ﷺ کی بہت ساری باتیں ہیں۔ حضور اکرم ﷺ کی زندگی کے تعلق سے پوری سورت ہے تو حضرت جلال الدینؒ نے فجر سے لے کر ظہر تک ''واؤ'' کی تفسیر فرمائی صرف والضحیٰ کے واؤ کی، اس کے بعد فرمایا کہ کھانے کا اور نماز کا ٹائم ہے لہٰذا ظہر اور ظہرانہ سے فارغ ہوکر پھر بیٹھ گئے عصر تک پھر واؤ کی تفسیر فرمائی پھر اس کے بعد عصر پڑھی پھر عصر کے بعد واؤ کی تفسیر پھر مغرب پڑھ کر واؤ کی

تفسیر پھر رات کو جب آدمی رات ہوگئی تو حضرت نے فرمایا کہ تم تھک گئے ہو اللہ جانتا ہے اگر تم بیٹھے رہو تو چالیس دن تک اسی طرح واؤ کی تفسیر بیان کرسکتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے امت میں ایسے جامع کمالات اور اوصاف والے علماء کو پیدا فرمایا جن کی نظیر دوسری امتوں میں نہیں ملتی۔ امام غزالیؒ کی کتابوں کو آج امریکہ آسٹریلیا اور فرانس اور جرمن میں پڑھایا جارہا ہے اور ان کی کتابوں کو چرا کر ان کے البم کو بگاڑ کر چربہ بنا کر اپنے ناموں سے لوگوں نے چھاپ لی ہیں اور ان کی کتابوں سے بیالوجی جیالوجی اور سائنس اور دوسرے علوم اور معرفت وحکمت کے جو علوم پڑھائے جارہے ہیں غیر مسلم اقوام جو پڑھ رہی ہیں اور آگے بڑھ رہی ہیں، یہ سارے کے سارے علوم حضور اکرم ﷺ سے منتقل ہوئے ہیں۔

امام غزالیؒ کا دلچسپ واقعہ

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت موسیٰ کو خواب میں دیکھا فرمایا کہ تمہارا نام کیا ہے کہ میرا نام غزالی ہے اور میرے باپ کا نام یہ ہے میرے دادا کا نام یہ ہے اور میرے پردادا کا نام یہ ہے اور حضرت آدم تک سلسلہ گنوادیا حضرت موسیٰ کہنے لگے میں نے تم سے صرف تمہارا نام پوچھا تم نے سارے نام گنوادیئے تو امام غزالیؒ نے فرمایا خواب میں کہ اے اللہ کے نبی کلیم اللہ! اللہ تعالیٰ نے بھی آپ سے یہی پوچھا تھا کہ اے موسیٰ تمہارے ہاتھ میں کیا ہے؟ قرآن نے اسے بیان کیا ہے۔ ''وما تلک بیمینک یا موسیٰ'' اے موسیٰ تمہارے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟ تو موسیٰ نے کہا ''قال ھی عصای اتوکوا علیھا واھش بھا علی غنمی ولی فیھا مآرب اخری''۔ اے اللہ میرے ہاتھ عصا (لاٹھی) ہے اس پر ٹیک لگاتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اپنے بہت سارے کام اس سے کرتا ہوں۔ تو آپ نے

بھی اتنے سارے جواب دیئے صرف کہہ دیتے کہ عصا ہے لاٹھی ہے۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم ﷺ کی امت میں ایسے عظیم الشان انسان پیدا فرمائے کہ جن کی نظیر نہیں تو جب غلاموں کا یہ حال ہے تو آقا کا کیا حال ہوگا؟ حضوا کرم ﷺ کی ذات مبارکہ کے تعلق سے انسان سارے کمالات کو ایک طرف رکھ دے اور جو میں نے پچھلے جمعہ میں آپ سے عرض کیا تھا کہ حضور ﷺ کی صفت رحمت جو اللہ تعالیٰ نے آپ میں خاص ودیعت فرمائی تھی اگر اس کو اپنا لیں تو خدا کی قسم دنیا میں کہیں بھی جھگڑا نہیں ہوگا۔

اسرائیل کا ظلم وستم

آپ تاریخ پڑھیئے آج جو اسرائیل غزہ پر بمباری کر رہا ہے اور فلسطین کا جینا حرام کر رکھا ہے اٹھارہ لاکھ فلسطینی مصر میں ہیں اور پانچ لاکھ فلسطینی لبنان میں ہیں اور آٹھ لاکھ فلسطینی یمن میں ہیں وہ مختلف ملکوں میں بٹ گئے ہیں اور اس کے باوجود تھوڑے بہت وہاں باقی ہیں ان پر پچاس اور باون برسوں سے جو بمباری کا سلسلہ جاری ہے آپ ماضی کی تاریخ کو اٹھا کر دیکھئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس علاقہ کو فتح کیا تو ایک آدمی کی بھی جان نہیں گئی اور پورا علاقہ فتح ہوگیا۔ یہ کمالات ہیں حضور اکرم ﷺ کی سیرت مبارک کے کہ جن لوگوں نے حضور اکرم ﷺ کی سیرت کو اپنایا اللہ تعالیٰ نے ان سے ایسے بڑے برے کام لئے کہ دنیا حیرت زدہ رہ گئی، عمر فاروقؓ کے ہاتھ پر بیت المقدس فتح ہوا بڑے بڑے ان کے پادری بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے کہا کہ ہماری توریت میں لکھا ہے کہ اس آخری زمانہ میں عمر فاروق فتح کریں گے لہٰذا ان کا حلیہ ہمیں دکھا دیا جائے اور وہ آجائیں تو ہم چابیاں ان کے حوالے کر دیں حضرت عمرؓ کے ہمشکل حضرت عمر بن عاصؓ تھے ان کو بھیجا گیا تو لوگوں

نے کہا کہ یہ آدمی وہ نہیں ہے اس کی صفات ہی الگ ہیں اس کا چلنا پھرنا اس کا ہنسنا بولنا کلام کرنا الگ ہے چنانچہ پھر آپ مدینہ منورہ سے تشریف لے گئے اور اس شکل میں کہ باری باری بیٹھ رہے ہیں اونٹنی پر، کچھ دور آپ اونٹنی کی نکیل پکڑ کر چلتے ہیں اور غلام سوار ہوتا ہے اور پھر کچھ دو امیر المومنین سوار ہوتے ہیں تو غلام نکیل پکڑ کر چلتا ہے جب بیت المقدس پہنچتے ہیں تو اونٹنی پر سوار ہونے کا نمبر غلام کا آجاتا ہے اور نکیل پکڑنے کا نمبر آقا کا آجاتا ہے غلام نے کہا یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ نکیل پکڑ کر چلیں اور غلام اونٹنی پر بیٹھے، فرمایا کہ عمر ایسا کبھی نہیں کرسکتا کہ ناانصافی کرے جو باری چلی آرہی ہے اس باری کے حساب سے آپ کو بیٹھنا ہے چنانچہ جب بیت المقدس میں داخل ہوئے تو غلام اونٹنی پر بیٹھا تھا اور آقا اس کی نکیل پکڑ کر چل رہے تھے۔ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) بڑے بڑے راہب اور پادری کتاب دیکھ رہے تھے کہ کیسے آتے ہیں، کتاب میں یہی لکھا ہوا تھا کہ جب مسلمانوں کا بادشاہ فلسطین کے اندر داخل ہوگا تو غلام اونٹنی پر بیٹھا ہوگا اور آقا نکیل پکڑ کر چلے گا، لوگوں نے کہا کہ حقیقت ہے یہی وہ آدمی ہے جن کے ہاتھ پر بیت المقدس فتح ہونا ہے، چنانچہ ساری کنجیاں لاکر امیر المومنین عمر فاروقؓ کے قدموں میں ڈال دیں۔

ذلت وخواری کے اسباب

یہ حضور اکرم ﷺ کے وہ چہیتے لوگ ہیں جو حضور اکرم ﷺ کے غلام تھے انہوں نے حضور اکرم ﷺ کی غلامی اختیار کی تو دنیا کے بادشاہ بنے اور میں نے اور آپ نے حضور ﷺ کی غلامی کا راستہ ترک کیا تو دنیا میں ذلیل وخوار ہوئے۔ آج کل مسلمانوں کو کون پوچھ رہا ہے۔ جب ان کی سیرت کو ان کے حالات کو ان کی تعلیمات کو ان کے احوال واطوار کو ہم نے اپنی زندگیوں سے نکال دیا تو ہم بے

قیمت ہوگئے ۔ ہماری مثال تو ایسی ہے کہ جیسے شاہین ہوتا ہے جس کو شکرا بولتے ہیں بہت اونچائی تک اڑتا ہے بادشاہ لوگ پالتے ہیں وہ دیکھنے میں چیل کی طرح ہوتا ہے لیکن بہت قیمتی جانور ہوتا ہے کئی کئی لاکھ اس کی قیمت ہوتی ہے اور ظاہر بات ہے ایسا جانور بادشاہ ہی پال سکتا ہے عام آدمی کے بس کی بات نہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس پر شعر بھی کہا ہے۔ ؎

نہیں تیرا نشیمن قصرِ سلطانی کے گنبد پر
تو شاہیں ہے بسیرا کر پہاڑوں کی چٹانوں میں

یعنی کھلی چٹانوں پر وہ سوتا ہے کسی سے ڈرتا نہیں ہے ایسا جانور ہے ایک دفعہ ایک شاہین کسی بادشاہ کے یہاں سے اڑکر چلا گیا اور کسی دیہاتی کے ہاتھ لگ گیا اس نے کہا کہ اوہو اتنا اچھا خوبصورت جانور لیکن اس کے پاؤں کے ناخن کتنے بڑے ہوگئے ہیں لہٰذا اس نے ناخن کاٹ دیئے جن سے وہ شکار کرتا تھا اور پَر بھی لمبے لمبے تھے کہا کہ دیکھو پَر کتنے بڑے بڑے ہوگئے ہیں بوجھ بن رہے ہیں لہٰذا اس دیہاتی نے پَروں کو بھی کاٹ دیا چونچ بھی لمبی تھی جس سے وہ شکار کرتا تھا چنانچہ اس نے چونچ بھی کاٹ دی، اس دیہاتی نے پنجے، ناخن، پر اور چونچ سب کاٹ دیئے اب یہ نہ اڑ سکتا ہے نہ کچھ کھا سکتا ہے نہ یہ شکار کرسکتا ہے لہٰذا اب اس کی قیمت ختم ہوگئی، جب اس کے ناخن نوچ لئے گئے اس کے پَر کاٹ دیئے گئے اس کی چونچ خراب کردی گئی اب جب عرصہ بعد ناخن بڑھے آہستہ آہستہ اور اسکی چونچ صحیح ہوئی تو اب اس کو اپنا مالک بادشاہ یاد آیا پھر وہ وہاں واپس ہوا اور اڑکر بادشاہ کے ہاتھ پر جا کر بیٹھ گیا بادشاہ نے کہا کہ افسوس تو نے دیکھا کہ اپنے مالک سے بھاگنے کے بعد غلام کا یہی حال ہوتا ہے، اس دیہاتی نے تیرے ساتھ اچھا سمجھ کر سلوک کیا ہے لیکن تیرے

لئے یہ اچھا نہیں تھا اس کو یہ خبر نہیں ہے کہ تیری ہیئت اور تیری شکل اور تیرے ناخن یہ عظیم صفات رکھتے ہیں اس سے تو شکار کھیلتا ہے اسی سے اڑتا ہے اسی سے شکار کو اپنے پنجوں میں لیتا ہے۔

آج منہ دیکھ کر سلام کا رواج بن گیا

تو دوستو! ہمارا یہی حال ہے آج ہم نے چھوٹی چھوٹی سنتوں کو ترک کردیا اور نبی اکرم ﷺ کی بڑی بڑی سنتوں کو اپنانا تو بڑی بات ہے آپ ﷺ کی چھوٹی چھوٹی سنتیں ہماری زندگی میں ہونی چاہیئے تھیں وہ ہم نے چھوڑی ہی نہیں بلکہ بالکل بھلا دی ہیں اور ایسی بھلائی ہیں کہ اب ہم ان کو یاد کرنا بھی گوارہ نہیں کرتے ہیں، حضوا کرم ﷺ کی صفت رحمت یہی تو ہے کہ حضورا کرم ﷺ گھر میں جارہے ہیں تو ''السلام علیکم'' کہتے ہیں آج کوئی جو اپنے بچوں کو اور اپنی بیویوں کو گھر میں جا کر سلام کرے تو توہین سمجھتے ہیں۔ گھر میں داخل ہونے پر اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ سلام کرو اور ہم لوگ ہیں کہ سلام نہیں کرتے، بچوں کو بھی اللہ کے نبی ﷺ سلام کیا کرتے تھے چھوٹا بچہ بھی مل جاتا تو فرماتے ''السلام علیکم'' اور آج ہمارا کیا حال ہے سب کو معلوم ہے ہم انتظار میں رہتے ہیں کہ سامنے والا آدمی سلام کرے گا ہم کیوں کریں ہم تو بڑے ہیں وہ چھوٹا ہے، حالانکہ سلام کرنے میں بڑے اور چھوٹے کو اللہ کے نبی ﷺ نے نہیں کہا بلکہ آپ ﷺ بڑوں کو بھی اور چھوٹوں کو بھی سلام کرتے تھے، حضورا کرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اخیر زمانہ میں سلام کا رواج ختم ہوجائے گا اور لوگ ان ہی کو سلام کریں گے جن کو پہچانتے ہوں جانتے ہوں، چہرہ جانا پہچانا ہوا تو سلام کیا جائے گا اور چہرہ جانا پہچانا نہیں ہے تو سلام نہیں کریں گے۔

صحابہؓ میں سلام کا رواج کیسا تھا

سلام جیسی دعائے رحمت جس کے تعلق سے اللہ کے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ''السلام علیکم'' کہنے سے دس نیکیاں ملتی ہیں اور ''ورحمۃ اللہ'' بڑھانے سے بیس نیکیاں اور ''وبرکاتہ'' کہنے سے تیس نیکیاں اور اگر اخلاص زیادہ ہو تو سات سو سے زیادہ نیکیاں ملتی ہیں۔ لیکن دوستو! اب تو دور سے ہی اشارہ کرنے کا ماحول ہو گیا ہے ہاتھ سے ایسے غیروں کے طریقے ہم کو اتنے محبوب ہو گئے اور حضور اکرم ﷺ کی سیرت کا چھوٹے سے چھوٹا نمونہ ہمارے لئے عیب بن گیا بوجھ بن گیا ہم اس کو اپنانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

دو صحابیؓ ایک ساتھ چلے جا رہے ہیں راستے میں ایک جھاڑ یعنی درخت آ جاتا ہے پھر جب آگے بڑھتے ہیں تو دونوں طرف سے ملتے ہیں تو دونوں سلام کرتے ہیں السلام علیکم ہم لوگ صبح سے شام تک ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں جب ملتے ہیں تو سلام ہوتا ہے؟ نہیں ہوتا، بولتے ہیں کہ کہاں تھے جی اتنے دنوں تک ملے نہیں نا، بس یہی ہوتا ہے، پہلے سلام بعد میں کلام، یہاں پہلے کلام ہوتا ہے بعد میں سلام ہو یا نہ ہو۔ حضور اکرم ﷺ کی سیرت پر مرنے والے اور مٹنے والے آپ ﷺ کی سیرت کو اپنانے والے صحابہؓ تھے، حضور ﷺ چلے جا رہے ہیں ایک راستہ ایسا ہے کہ راستے میں جھاڑ ہے آپ ﷺ جھک کر نکلتے ہیں حضرت علیؓ آپ ﷺ کے ساتھ ہیں ان کا قد چھوٹا ہے ان کے سر میں جھاڑ نہیں لگتے ہیں لیکن حضرت علیؓ بھی جھک کر نکلتے ہیں کسی نے پوچھا کہ اے علیؓ! حضور ﷺ کا تو قد لمبا ہے اس لئے آپ ﷺ کو تو جھک کر نکلنا ہی تھا لیکن آپ کا قد تو بہت چھوٹا ہے پھر آپ جھک کر کیوں نکلے؟ فرمایا سرکار کی ادا انسان کے لئے کامیابی کی کنجی ہے، حضور ﷺ جھک کر نکلے میرا قد بڑا ہو

یا نہ ہو لیکن حضور ﷺ جھک کر نکلے میں بھی جھک کر نکلا یہ غلام کی پہچان ہے کہ اپنے آقا کی سنت کو ادا کرے۔ ہم میں کتنے لوگ ہیں ایسے؟ آج ہم نے ہزاروں سنتوں کو خیر باد کہہ دیا ہے، دسترخوان بچھانے کا طریقہ ہمیں معلوم نہیں، حضور ﷺ نے فرمایا کہ پہلے آدمی بیٹھے اس کے بعد دسترخوان بچھے اور اس کے بعد کھانا رکھے اور ہاتھ دھوئے جائیں تو دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے جائیں لیکن آج ہم جب کھانے کے لئے ہاتھ دھوتے ہیں تو صرف چار انگلی بس غیر مسلموں کی طرح۔

ایک اہم سنت پر عمل کا فائدہ

حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو آدمی کھانے سے پہلے اور بعد میں دونوں ہاتھ گٹوں تک دھوئے وہ آدمی کبھی بھی نہ تو کسی کا قرضدار ہو سکتا ہے اور نہ ہی کبھی فاقہ کر سکتا ہے۔ اس سنت پر آپ عمل کر کے دیکھئے قسم خدا کی یہ سنت اتنی مضبوط اور اتنی سچی اور اتنی مجرب ہے کہ اگر اس سنت کو آپ اپنا لیں تو دنیا کبھی تنگ دست نہیں ہو سکتی، یہ اتنی معمولی سی سنت ہمارے حضرت حاذق الامتؒ فرمایا کرتے تھے کہ سنت تو چھوٹی سی ہے کہ یہاں تک ہاتھ دھویا جائے اور اس کے فوائد اتنے کہ آدمی کبھی قرضدار نہیں ہوتا، اب دسترخوان پر بیٹھے ہوئے ہیں کھانا کھا رہے ہیں بول نہیں رہے ہیں خاموش ہو کر کھانا یہ یہودیوں کا طریقہ ہے کھانا کھانے کے دوران کچھ بات چیت بھی کرنی چاہئے بول چال بھی رکھنی چاہئے اور زیادہ بات بھی نہیں کرنا چاہئے کہ یہ نصاریٰ کا مشغلہ ہے کہ وہ کھانا کم کھاتے ہیں اور بات زیادہ کرتے ہیں، کھانے کو محبت کے ساتھ کھانا چاہئے یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے، انسان کو اگر دو دانے نہ ملیں دو لقمے نہ ملیں تو آدمی چھوری کرنے پر مجبور ہو جائے، بے ایمانی کرنے پر مجبور ہو جائے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا استحضار اور اللہ کی نعمتوں کی قدر انسان کے دل میں ہو اور پھر وہ

قدر دانی کے ساتھ کھاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس میں برکت دیتے ہیں، جائز اور حلال کمائی کو آدمی دسترخوان پر بیٹھ کر کھائے اور جب کھالے تو دعا پڑھے اس کے بعد ہاتھ دھوئے اور کھانے میں عیب نہ نکالے کہ اس میں مرچ زیادہ ہوگئی اس میں نمک زیادہ ہوگیا وغیرہ وغیرہ۔ جتنا دل چاہے اتنا کھائے یہ آپ ﷺ کی سنت ہے۔

دارالعلوم دیوبند کے استاد کا واقعہ

دارالعلوم دیوبند کے حالات میں لکھا ہے دارالعلوم کے ایک بہت بڑے استاذ تھے جب ان کا انتقال ہوگیا تو کسی نے ان کو خواب میں دیکھا تو پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا تو کہا حضور ﷺ کی ایک سنت کو اپنایا تھا کہ اگر کوئی غلطی یا گستاخی ہوجائے تو میں معاف کردیا کرتا تھا چنانچہ ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ میری بیوی نے کھچڑی پکائی یوپی میں آج بھی ایسا حال ہے کہ عورتیں شوہر سے پہلے نہیں کھاتی ہیں پہلے مرد حضرات کھائیں بعد میں عورتیں کھائیں گی، حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایسی عورتوں سے نکاح نہ کرو جو مرد سے پہلے کھانے کی عادی ہوں اس کی صفت ایسی نہیں ہونی چاہئے ایسی عورت سے حضور ﷺ نے نکاح کرنے سے منع فرمایا جو مرد سے پہلے کھائے اور مرد سے پہلے سوجائے۔ تو بیوی ے کھچڑی پکائی اور اس ے نمک ڈالنا بھول گئی حضرت مدرسہ آئے اور جب کھانا شروع کیا تو معلوم ہوا کہ نمک نہیں ہے سوچا کہ بھول گئی چلو کوئی بات نہیں پھیکی ہی کھچڑی کھا کر پھر مدرسہ چلے گئے یہ واقعہ چھوٹا سا ہے بھول گئے ذہن میں بھی نہیں رہا مرنے کے بعد اللہ کے دربار میں پیشی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ تم نے بہت سی عبادتیں کی ہیں بڑی بڑی حدیثیں پڑھائی ہیں بڑی بڑی نمازیں پڑھی ہیں لیکن ایک ادا تمہاری ہمیں بہت پسند کہ تم کو اس وقت بہت بھوک لگ رہی تھی اور بغیر نمک کے تم نے کھچڑی

کھائی اور غصہ کو تم نے پی لیا اور بیوی پر تم ناراض نہیں ہوئے تم نے اپنی بیوی پر رحم کیا اس لئے ہم تم پر رحم کرتے ہیں۔ صرف اتنی سی بات، وہ بزرگ خواب دیکھنے کے بعد ان کے گھر گئے اور ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ کبھی ایسا واقعہ ہوا ہے؟ تو ان کی بیوی نے کہا کہ آپ کو یہ واقعہ بتایا کس نے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے خواب دیکھا ہے تو ان کی بیوی نے کہا کہ آپ کا خواب صحیح ہے، اس لئے کہ اس واقعہ کا میرے اور میرے شوہر کے علاوہ کسی کو علم نہیں ہے۔

لوگوں پر رحم کرنا سکھایا

آج ہم چھوٹی چھوٹی چیزوں کے لئے لڑتے ہیں اور اپنی ناک کا مسئلہ بنالیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے کبھی بھی کسی چیز کو ناک کا مسئلہ نہیں بنایا۔ آپ ﷺ نے انسانیت سکھائی ہے بردباری سکھائی ہے لوگوں پر رحم کرنا سکھایا ہے ایک دوسرے سے غمگساری کا جذبہ سکھایا ہے محبت والفت کا درس دیا ہے، یہ حضور ﷺ کی سیرت ہے۔

دوستو! اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ ﷺ کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا اگر حضور ﷺ کی صرف اسی سیرت حرمت کو ہم دنیا میں اپنالیں تو خدا کی قسم ہمارے گھر جنت کا نمونہ بن جائیں، لیکن آج ایسا نہیں ہے آج تو صرف سڑکوں اور گلیوں کو روشن کیا جارہا ہے، کیا یہی سیرت ہے؟ ایسا تو غیر مسلم بھی اپنے دیپاؤلی کی خوشی میں روشنی کرتے ہے آج نہ جانے کس کس کا بت بنا کر لوگ نکالتے ہیں جیسے گنیش وغیرہ، آج آپ ﷺ کے روضہ اور کعبۃ اللہ کا مذاق اڑایا جارہا ہے ان کی شبیہ بنا کر گلیوں میں پھرائی جاتی ہیں کیا یہ سیرت ہے اس کو سیرت نہیں کہتے یہ تو حضور اکرم ﷺ کی سیرت کا مذاق ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب باتوں کو پوچھیں گے اور آپ کو ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔ کہ اس ہنگامے میں ناچنے اور گانے میں جتنے بھی

خرافات آج شروع ہو رہے ہیں اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں اس سے ہم سب کو بچنا ہے میں کسی کی مخالفت نہیں کرتا ہوں کسی کے مسلک پر اعتراض نہیں کرتا لیکن میں صاف عرض ضرور کروں گا کہ حضور اکرم ﷺ کے روضۂ اقدس کی خدا کے واسطے توہین نہ کریں، اللہ کے گھر کعبۃ اللہ کی توہین نہ کریں، کعبۃ اللہ کہاں ہے اور روضۂ اقدس کہاں ہے کون بنا سکتا ہے اور کون اس کو دکھا سکتا ہے اپنی جگہ پر وہ موجود ہیں اور تا قیامت قائم رہیں گے۔ لوگ فوٹو میں دیکھ سکتے ہیں لیکن ان کی شبیہ بنا کر سروں پر رکھ کر گلیوں میں پھرانا بالکل غلط ہے اس طرح کرنا انبیاء علیہم السلام نے سکھایا نہ صحابہ کرامؓ نے سکھایا نہ ائمہ نے سکھایا۔

بہر حال بات لمبی ہوگئی ہے اب بات کو ختم کرتا ہوں، اللہ تعالیٰ ہمیں تمام خرافات سے محفوظ رکھے اور جو حضور ﷺ کی سیرت مبارکہ ہے اس کو نہ بگاڑا جائے اسے محفوظ رکھا جائے اور سیرت کو سیرت کے دائرے میں بیان کیا جائے، اللہ تبارک وتعالیٰ مجھے اور آپ کو عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

☆☆☆

محسنِ کائنات کے اخلاقِ حسنہ

معاشرت کے آئینہ میں

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِيَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعْد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي الْقُرْآنِ الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۝ وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى ”وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ“ ۝ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم.

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ تمہارے لئے رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں بہتر نمونہ ہے۔

کی محمد سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں — یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح وقلم تیرے ہیں
رحمت اللعالمین کا یوں نہ مل جاتا لقب — سروری کا حق کیا کس نے ادا تیری طرح

محترم سامعین کرام اور حاضرین مجلس! آج کے اس عظیم الشان اجلاس میں جس میں مختلف مذاہب وادیان کے ماننے والے تشریف فرما ہیں ہم ان سب کے شکر گذار ہیں کہ انہوں نے اپنے قیمتی اوقات نکال کر ہماری اس دعوت کو قبول کیا، ہماری عزت افزائی فرمائی، ایسے موقع پر ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ نبی آخرالزماں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت واخلاق سے متعلق کچھ اہم باتیں گوش گذار کریں۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ سیرت کا موضوع ایک ایسا بحر ناپید کنار موضوع ہے کہ جس کے کسی ایک گوشہ کو لے کر آدمی غوطہ خوری کرے تو اس کی زندگی ختم ہوسکتی ہے مگر اس کا حق ادا نہیں ہوسکتا، اس دنیائے رنگ وبو میں بہت سے انبیاء ورسل مبعوث ہوئے ایک اسلامی روایت کے مطابق ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل مبعوث کئے گئے لیکن آج ان میں سے کسی کی سیرت ہمارے سامنے نہیں جس کو نمونۂ عمل بنا سکیں کیونکہ کسی کی اتباع کی جاسکتی ہے اور اپنا رہبر ورہنما بنایا جاسکات ہے، سب سے پہلی چیز تاریخ ہے یعنی اس کی تاریخی حیثیت کیا ہے کس زمانہ اور صدی کا یہ آدمی تھا اور اس کی حیثیت کیا تھی، دوسری چیز ملیت ہے یعنی اس کی زندگی کامل ومکمل ہو اس کا ایک ایک عمل ہمارے سامنے ہو کوئی چیز پوشیدہ نہ ہو، تیسری چیز جامعیت ہے یعنی اس کی زدگی اس کے تمام معتقدین اور پیروکاروں کے لئے جامع ہو کسی کو دوسرے رہبر ورہنما کا دروازہ نہ کھٹکھٹانا پڑے کہ یہ چیز ہمارے رہبر وقاعد کی سیرت میں نہیں ہے، چوتھی چیز عملیت ہے یعنی جس کا نبی حکم دے رہے ہیں اس کو برت کر اور کر کے دکھائے تاکہ اس کے مطابق اپنی زندگی گذارے جتنے بھی انبیاء دنیا میں تشریف لائے ان سب کی زندگی چاروں اوصاف کی اپنے اپنے وقت میں حامل رہیں لیکن آج کسی کی سیرت ان اوصاف کی حامل نہیں اس وجہ سے ہمارے لئے کسی کی سیرت

مونہ نہیں ہوسکتی صرف نبی آخرالزماں فخر موجودات حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی سیرت ہی ان چاروں اوصاف کی حامل ہے لہٰذا آپ ﷺ کی سیرت ہی میں رہنمائی کا سامان ملے گا اور آپ ﷺ کا عملی پہلو ہی سب سے ضخیم اور بھاری ہے اور باقی انبیاء علیہم السلام کا بھی پہلو بالکل سادہ اور محدود ہے اور صرف عملی پہلو پر بتانے کے لئے یہی کافی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خاتم کون ہے، قرآن کریم کے علاوہ ہر نبی کے صحیفہ نے بتایا کہ وہ عمل کے اعتبار سے بدرجہا بلند انسان ہوں گے مگر قرآن کریم نے علی الاعلان اور کھلم کھلا کہا ''وَإِنَّ لَكَ لَأَجْراً غَيْرَ مَمْنُونٍ. وَإِنَّكَ لَعَلى خُلُقٍ عَظِيمٍ ''اور آپ ﷺ کے لئے ختم نہ ہونے والا اجر ہے، اور بے شک آپ ﷺ اخلاق حسنہ کے اعلیٰ مقام پر ہیں۔ (سورہ القلم)

آپ ﷺ بڑے شفیق اور مہربان تھے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ اے لوگو! تمہارے پاس ایک ایسے شخص تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس (بشر) سے ہیں جن کو تمہاری مضرت کی بات نہایت گراں گذرتی ہے جو تمہاری منفعت کے بڑے خواہشمند رہتے ہیں بالخصوص ایمانداروں کے ساتھ تو بڑے ہی شفیق اور مہربان ہیں۔ (سورہ توبہ)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس بات سے نبی ﷺ کو ناگواری ہوتی ہے سو وہ تمہارا لحاظ کرتے ہیں اور زبان سے نہیں فرماتے کہ اٹھ کر چلے جاؤ اور اللہ تعالیٰ صاف بات کہنے سے کسی کا لحاظ نہیں کرتے۔ (احزاب)

آپ کی مروت کا کیا ٹھکانا ہے کہ اپنے غلاموں کو بھی یہ فرماتے ہوئے شرماتے تھے کہ اب اپنے کاموں میں لگو اور یہ لحاظ اپنے ذاتی معاملات میں تھا اور احکام کی تبلیغ میں نہ تھا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی دس برس خدمت کی، آپ ﷺ نے کبھی مجھ کو اف بھی نہ کیا اور نہ کبھی یہ فرمایا کہ فلاں کام کیوں کیا اور فلاں کام کیوں نہیں کیا۔ (بخاری ومسلم) یعنی ہر وقت کے خادم کو دس برس تک ہوں سے ہاں نہ فرمایا یہ معمولی بات نہیں، کیا اتنے عرصہ تک کوئی بات بھی خلاف مزاج لطیف نہ ہوئی ہوگی؟

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سب سے بڑھ کر خوش خلق تھے، آپ نے مجھ کو ایک دن کسی کام کے لئے بھیجا، میں نے کہا میں تو نہیں جاتا اور دل میں یہ تھا کہ جہاں حکم دیا ہے وہاں جاؤں گا، یہ بچپن کا اثر تھا، میں وہاں سے نکلا تو بازار میں چند کھیلنے والے لڑکوں پر گزرا اچانک رسول اللہ ﷺ ے پیچھے سے آکر گردن پکڑ لی، میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو آپ ﷺ ہنس رہے تھے، آپ ﷺ نے فرمایا تم تو جہاں میں نے کہا تھا جا رہے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں یا رسول اللہ ﷺ میں جا رہا ہوں۔ (مسلم)

حضور ﷺ کی سخاوت اور عفو ودرگذر کی انتہا

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں حضور ﷺ کے ساتھ جارہا تھا اور آپ ﷺ کے بدن مبارک پر ایک نجران کا بنا ہوا موٹی کنی کا چادرہ تھا، ایک بدو نے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر بڑے زور سے کھینچا اور آپ ﷺ اس کے سینہ کے قریب جا پہنچے پھر کہا اے محمد ﷺ! میرے لئے بھی اللہ کے اس مال میں سے دینے کا حکم دو جو آپ کے پاس ہے، آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات فرمایا پھر ہنسے پھر اس کے لئے عطا فرمانے کا حکم دیا۔ (بخاری ومسلم)

آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی تھے

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ سے کبھی کوئی چیز نہیں مانگی گئی جس پر آپ ﷺ نے یہ فرمایا ہو کہ نہیں دیتا، اگر ہوا دے دیا ورنہ اس وقت معذرت اور دوسرے وقت کے لئے وعدہ فرمایا۔ (بخاری ومسلم) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے بکریاں مانگیں جو آپ ﷺ ہی کی تھیں اور دو پہاڑوں کے درمیان پھر رہی تھیں، آپ ﷺ نے اس کو سب دے دیں، وہ اپنی قوم میں گیا اور کہنے لگا: اے قوم کے لوگو! مسلمان ہو جاؤ، واللہ محمد ﷺ خوب دیتے ہیں کہ خالی ہاتھ رہ جانے کا بھی اندیشہ نہیں کرتے۔ (مسلم)

جبیر بن معطمؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ چل رہے تھے جب کہ آپ مقام حنین سے واپس ہو رہے تھے، آپ ﷺ کو بدو لوگ لپٹ گئے وہ آپ ﷺ سے مانگ رہے تھے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کو ببول کے ایک درخت سے لگا دیا اور آپ ﷺ کا چادرہ چھین لیا، آپ ﷺ کھڑے ہو گئے اور فرمایا کہ میرا چادرہ تو دے دو، اگر میرے پاس ان درختوں کی گنتی کے برابر اونٹ ہوتے تو میں تم سب میں تقسیم کر دیتا پھر تم مجھ کو نہ بخیل پاؤ گے نہ چھوٹا نہ تھوڑے دل کا۔ (بخاری شریف)

آپ ﷺ گھر میں ایک معمولی آدمی کی طرح رہتے

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز پڑھ چکتے تو مدینہ والوں کے غلام اپنے برتن لاتے جن میں پانی ہوتا تھا، جو برتن بھی آپ ﷺ کے ساتھ پیش کرتے، آپ ﷺ برکت کے لئے اس میں اپنا دست مبارک ڈال دیتے، بعض اوقات سردی کی صبح ہوتی تب بھی اپنا دست مبارک اس میں ڈال دیتے۔ (مسلم) ان ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سخت مزاج نہ تھے اور نہ کوسنا

دینے والے تھے، کوئی بات عتاب کی ہوتی تو یوں فرماتے: فلاں شخص کیا ہوگیا اس کی پیشانی کو خاک لگ جائے، جس سے کوئی تکلیف ہی نہیں، خصوصاً اگر سجدہ میں لگ جائے تب تو یہ دعا ہے نمازی ہونے کی اور نماز میں خاصیت ہے بری باتوں سے روکنے کی تو یہ اصلاح کی دعا ہوئی۔ (بخاری)

آپِ ﷺ سب سے زیادہ باحیاء تھے

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس قدر شرمگیں تھے کہ کنواری لڑکی جیسے اپنے پردہ میں ہوتی ہے اس سے بھی زیادہ، جب کوئی بات ناگوار دیکھتے تو شرم کے سبب زبان سے نہ فرماتے تھے مگر ہم لوگ اس کا اثر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک میں دیکھتے تھے۔ (بخاری ومسلم)

حضرت اسودؓ سے روایت ے کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ گھر کے اندر کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اپنے گھر والوں کے کام میں لگے رہتے تھے۔ (بخاری) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنا جوتا گانٹھ لیتے تھے اور اپنا کپڑا سی لیتے تھے اور اپنے گھر میں ایسے کام کر لیتے تھے جس طرح تم میں معمولی آدمی اپنے گھر میں کام کر لیتا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا یہ بھی فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ منجملہ بشروں کے ایک بشر تھے، گھر کے اندر مخدوم اور ممتاز ہو کر نہ رہتے تھے، اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھ لیتے تھے کہ شاید کسی کی چڑھ گئی ہو کیوں کہ آپ ﷺ اس سے پاک تھے اور اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے، یہ مثالیں ہیں گھر کے کام کی، کیوں کہ رواج کے مطابق یہ کام گھر والوں کے کرنے کے ہوتے ہیں اور اپنا ذاتی کام بھی کر لیتے تھے۔

(ترمذی)

آپ ﷺ معاشرہ میں گھل مل کر وقت گذارتے

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کسی جاندار کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا اور نہ کسی عورت کو نہ کسی خادم کو، راہِ خدا میں جہاد اس سے مستثنیٰ ہے، مراد وہ مارنا ہے جیسے غصہ کے جوش میں کسی کو مارے اور آپ ﷺ کو کبھی کوئی ایسی تکلیف نہیں پہنچائی گئی جس میں آپ ﷺ نے اس تکلیف پہنچانے والے سے انتقام لیا ہو البتہ اگر کوئی شخص اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے کسی چیز کا ارتکاب کرتا تو اس وقت آپ ﷺ اللہ کے لئے اس سے انتقال لیتے تھے۔ (مسلم)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کا حال بیان کرتے تھے کہ آپ ﷺ بیمار کی بیمار پرسی فرماتے تھے اور جنازہ کے ساتھ جاتے تھے۔ (ابن ماجہ وبیہقی)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کسی شخص مصافحہ کرتے تو آپ ﷺ اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں میں سے خود نہ نکالتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا ہاتھ نکال لیتا تھا اور نہ اپنا منہ اس کی طرف سے پھیرتے تھے یہاں تک کہ وہی اپنا منہ آپ ﷺ کی طرف سے پھیر لیتا تھا اور آپ ﷺ کبھی اپنے پاس بیٹھنے والے کے سامنے اپنے زانو کو بڑھائے ہوئے نہیں دیکھے گئے بلکہ صف میں سب کے برابر بیٹھے تھے، ایک مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ زانو سے مراد پاؤں ہوں یعنی آپ ﷺ کسی کی طرف پاؤں نہ پھیلاتے تھے۔ (ترمذی)

حضور ﷺ اپنے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے

شمائل ترمذی باب تواضع اور باب خلق میں دو لمبی حدیثیں ہیں، ان میں سے بعض جملے عرض کرتا ہوں۔

حضرت حسینؓ اپنے والد حضرت علیؓ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے مکان میں تشریف لے جاتے تو مکان میں رہنے کے وقت کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ اللہ عزوجل کی عبادت کے لئے اور ایک حصہ اپنے گھر کے حقوق ادا کرنے کے لئے ایک حصہ اپنی ذات خاص کے لئے، پھر اپنے خاص حصہ کو اپنے اور لوگوں کے درمیان اس طرح تقسیم فرماتے کہ اس حصہ کے برکات کو اپنے خاص اصحابؓ کے ذریعہ سے عام لوگوں تک پہنچاتے یعنی اس حصہ میں خاص حضرات کو استفادہ کے لئے اجازت تھی پھر وہ عام لوگوں تک ان علوم کو پہنچاتے اور مذکورہ حصہ امت میں، آپ ﷺ کی عادت یہ تھی کہ اہل فضل یعنی اہل علم وعمل کو حاضری کی اجازت دینے میں دوسروں پر ترجیح دیتے تھے، اور اس وقت کو ان پر بقدر ان کی دینی فضیلت کے تقسیم کرتے تھے، کیوں کہ کسی کو ایک ضرورت ہوئی، کسی کو وہ ضرورتیں ہوئیں، کسی کو کئی ضرورتیں ہوئیں، آپ ﷺ اسی نسبت سے ان کے ساتھ مشغول ہوتے اور ان کو بھی ایسے کام میں مشغول رکھتے جس میں ان کی اور امت کی مصلحت ہو، جیسے مسئلہ پوچھنا اور مناسب حالات کی اطلاع دینا اور آپ ﷺ کے سب طالب ہوکر آتے اور علاوہ علمی فوائد کے کچھ کھا پی کر واپس جاتے اور دین کے ہادی بن کر نکلتے۔ یہ رنگ تھا مجلسِ خاص کا، پھر میں نے حضور ﷺ کے باہر تشریف لانے کی بابت پوچھا، انہوں نے اس کی تفصیل بیان کی جس کو میں انہی کی دوسری حدیث میں عرض کرتا ہوں، حضرت علیؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ ہر وقت کشادہ دل ونرم مزاج تھے، آپ ﷺ کے سامنے لوگ آپس میں جھگڑتے نہ تھے اور جب آپ ﷺ کے روبرو کوئی بات کرتا اس کے فارغ ہونے تک آپ خاموش رہتے اور آپ ﷺ پردیسی آدمی کی گفتگو اور سوال میں بے تمیزی کرنے پر تحمل فرماتے

تھے اور کسی کی بات نہیں کاٹتے تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے بڑھنے لگتا تب اس کی بات کاٹ دیتے خواہ منع فرما کر یا اٹھ کر چلے جانے سے، یہ رنگ تھا مجلس عام کا، یہ برتاؤ تو اپنے تعلق والوں سے تھا۔

میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت کہ کسی موقع پر آپ ﷺ سے عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! مشرکے پر بددعا کیجئے! آپ نے فرمایا: میں کوسنے والا کر کے نہیں بھیجا گیا، میں تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ (مسلم) اس لئے آپ ﷺ کی عادت دشمنوں پر بھی دعائے خیر کرنے کی تھی اور کبھی کبھار اپنے مالک حقیقی سے فریاد کے طور پر کچھ کہہ دینا کہ ان کی شرارت سے آپ ﷺ کی حفاظت فرمادے۔ یہ اور بات ہے۔

حضرت عائشہؓ سے ایک لمبا قصہ طائف کا منقول ہے جس میں آپ ﷺ کو کفار کے ہاتھوں اس قدر اذیت پہنچی جس کو آپ ﷺ نے غزوۂ احد کی تکلیف سے بھی زیادہ سخت فرمایا ہے اس وقت جبرئیل علیہ السلام نے آپ ﷺ کو پہاڑوں کے فرشتے سے ملایا اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا اور عرض کیا اے محمد ﷺ! میں پہاڑوں کا فرشتہ ہوں آپ مجھ کو حکم دیں، اگر آپ ﷺ چاہیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ان لوگوں پر لا ملاؤں جس میں یہ سب پس جائیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہیں، میں امید کرتا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ ان کی نسل سے ایسے لوگ پیدا کردے جو صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔

ایک یہودی کا آپ ﷺ سے برتاؤ

دیکھئے! اگر اس وقت ہاتھ سے بدلہ لینے کا موقع نہ تھا تو زبان سے کہنا تو آسان تھا، خصوصاً جب آپ ﷺ کو یہ یقین دلایا گیا کہ زبان ہلاتے ہی سب تہس نہس

کر دئے جائیں گے، مگر آپ ﷺ نے پھر بھی شفقت ہی سے کام لیا، یہ برتاؤ ان مخالفین سے تھا جو آپ ﷺ کے مدمقابل تھے، بعض مخالفین آپ ﷺ کی رعایا تھے جن پر باضابطہ قدرت بھی تھی، ان کے ساتھ برتاؤ کا حال بھی سنئے۔ حضرت علیؓ سے ایک لمبا قصہ منقول ہے جس میں کسی یہودی کا جو کہ مسلمان کی رعیت ہو کر مدینہ میں آباد تھا حضور ﷺ کے ذمہ کچھ قرض تھا اور اس نے ایک بار آپ ﷺ کو اس قدر تنگ کیا کہ اگلے دن ظہر سے صبح تک آپ ﷺ کو مسجد سے گھر بھی نہیں جانے دیا، لوگوں کے دھمکانے پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو معاہدہ اور غیر معاہد پر ظلم کرنے سے منع فرمایا ہے، اسی واقعہ میں ہے کہ جب دن چڑھا تو یہودی نے کہا "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ" اور یہ بھی کہا کہ میں نے تو یہ سب اس لئے کیا کہ آپ ﷺ کی صفت جو توریت میں ہے کہ محمد ﷺ بن عبد اللہ کے بیٹے ہیں، آپ ﷺ کی پیدائش مکہ میں ہے اور ہجرت کا مقام مدینہ ہے اور سلطنت شام میں ہوگی (چنانچہ بعد میں ہوئی) اور آپ ﷺ نہ سخت خو ہیں نہ ترش مزاج ہیں نہ بازاروں میں شوروغل کرنے والے ہیں اور نہ بے حیائی کا کام نہ بے حیائی کی بات آپ ﷺ کی وضع میں ہے، مجھ کو یہ دیکھنا تھا کہ دیکھوں آپ ﷺ وہی ہیں یا نہیں؟ چنانچہ میں نے آپ ﷺ کو دیکھ لیا، آپ ﷺ وہی ہیں، "اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلَ اللّٰهِ" (بیہقی)

فتح مکہ کے موقع پر حضور ﷺ کا ایثار اور کرم

ارشاد ربانی ہے "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ" ہم نے آپ ﷺ کو سارے جہاں والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، آپ ﷺ اخلاق کریمہ سے آراستہ و پیراستہ تھے اور برائی کا بدلہ ہمیشہ اچھائی سے ہی دیتے تھے، جیسا

کہ فتح مکہ کے موقع پر اس کا مشاہدہ ہوا، مکہ جب فتح ہوا تو حرم کے صحن میں، کس حرم کے صحن میں؟ جہاں آپ ﷺ کو گالیاں دی گئیں، آپ ﷺ کے جسم مبارک پر نجاستیں ڈالی گئیں، سارے سرداران قریش مفتوحانہ کھڑے تھے ان میں وہ بھی جو اس پیکر قدسی کے ساتھ گستاخیوں کا حوصلہ رکھتے تھے ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے راستے میں کانٹے بچھائے تھے، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے قتل کرنے کی سازش کی تھی، ان میں وہ بھی تھے جنہوں نے آپ ﷺ کے عزیزوں کا خون ناحق کیا تھا ان کے جسموں کو دہکتے ہوئے کوئلے سے داغا گیا تھا۔

یہ سارے کے سارے مجرم سرنگوں کھڑے تھے اور سامنے دس ہزار تلواریں محمد الرسول اللہ ﷺ کے ایک اشارے کی منتظر تھیں، دفعتہً زبان مبارک کھلتی ہے او رسوال ہوتا ہے کہ بتاؤ میں تمہارے سا کیا کروں گا؟ انہوں نے کہا تو ہمارا شریف بھائی اور شریف بھتیجہ ہے ہم خیر ہی کی توقع رکھتے ہیں، تو آپ ﷺ نے فرمایا آج میں وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے ظالم بھائیوں سے کہا تھا "لَا تَثْرِیْبَ عَلَیْکُمُ الْیَوْمَ" (آج کے دن تم پر کوئی الزام نہیں) اِذْهَبُوْا وَمَا اَنْتُمُ الطُّلَقَا جاؤ تم سب کے سب آزاد ہو۔

دیگر مذاہب والے اپنے نبی اور رہنما کی میٹھی باتوں کی طرف دنیا کو بلاتے ہیں اس لئے کہ ان کے پاس اس کے سوا کچھ ہے ہی نہیں، مگر مذہب اسلام میں ہر چیز آپ کو مل سکتی ہے آج اگر کوئی خاندان اور قبیلہ عیسائی بنتا ہے اگر چہ مذہب اسے انجیل سے ملتا ہے مگر تعلیم اور اخلاق وتہذیب یورپ و امریکہ کے خودساختہ تمدن ہی سے ملتی ہے لیکن وہی قبیلہ اگر مسلمان ہوتا تو جہاں سے اسے مذہب ملتا ہے وہیں سے اسے ساری چیز مل جاتی ہیں اس کو اپنے نبی کی سیرت سے باہر جانے کی قطعاً ضرورت

نہیں اس لئے کہ اسلام ہمہ گیر ہمہ جہت اور آفاقی مذہب ہے جو ساری دنیائے انسانیت کے لئے ہے، اس لئے ساری تعلیمات اسی میں ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اسلام کی تعلیم کو عام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْن

☆☆☆

محمد ﷺ کی غلامی

بادشاہی سے بھی افضل ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَه وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّانَبِیَّ بَعْدَهٗ، اَمَّا بَعد! فَقَدْ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى فِیْ الْقُرْآن الْمَجِيْدِ وَالْفُرْقَانِ الْحَمِيْدِ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ "مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَا اَحَدٍ مِنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْئٍ عَلِيْمًاؕ صَدَقَ اللّٰهُ الْعَظِيْم.

خدا کے فضل سے ہم کو بھی اس ہستی سے نسبت ہے
جو نورِ اولیں ہے، آخری شمعِ رسالت ہے

دل جس سے زندہ ہے وہ تمنا تمہیں تو ہو
ہم جس میں بس رہے ہیں وہ دنیا تمہیں تو ہو

بزرگان محترم نوجوانان اسلام اور عزیز طلبہ! صحبت اور ہم نشینی ایک ایسی چیز ہے جو پتھر کو ہیرا، جاہل کو عالم اور وحشی کو اسان بنا دیتی ہے۔ آج میں ایکا یسی ہی ہستی کا تذکرہ کرنے جارہا ہوں جس نے غلامی میں شہنشاہیت کی زندگی گزاری، جس نے امیری کو ٹھکرا کر اور غریبی کو اپنا کر کائنات کی بے پناہ وسعتوں میں اپنا نام سنہرے الفاظ میں کندہ کرایا۔ رحمۃ للعالمین کی پاکیزہ اور بے مثال حیات سے اور آپ ﷺ کی صحبت وہم نشینی سے ایک ایسے مستقبل کی تعمیر کی جس سے دونوں جہانوں میں کامیابی وکامرانی کی مہر اس کی قسمت میں ثبت ہوکر رہ گئی۔

سعدیٰ بنت ثعلبہ اپنے بچے زید بن حارثہ کعبی کو ساتھ لئے ہوئے اپنے قبیلے بنو معن سے ملاقات کے ارادے سے روانہ ہوئی لیکن ابھی وہ اپنے قبیلہ کے دیار میں پہنچی نہیں تھیں کہ بنو قین کے سواروں نے اچانک حملہ کرکے ان کے مال واسباب پر قبضہ کرلیا، ان کے اونٹ ہانک کر لے گئے اور بال بچوں کو گرفتار کرلیا جن بچوں کو وہ پکڑ کر لے گئے تھے ان میں اس کا بچہ زید بن حاثہ بھی تھا۔

حضرت زیدؓ کیسے غلام بن گئے

زید ایک کمسن بچہ تھا، اس وقت وہ اپنی عمر کی آٹھویں منزل میں تھا، ڈاکو اسے فروخت کرنے کی غرض سے ''عکاظ'' کے بازار میں لیگئے، جہاں سے قریش کے ایک دولت مند سردار حکیم ابن حزام بن خویلد نے چارسو درہم میں خرید لیا، حکیم بن حزام نے اس کے علاوہ بھی بہت سے غلام خریدے اور ان کو لے کر مکہ واپس آگیا، جب اس کی پھوپھی خدیجہ بنت خویلد کو اس کی واپسی کی اطلاع ملی اور وہ اس سے ملنے اور اس کو خوش آمدید کہنے گئیں تو اس نے کہا ''یہ چند غلام میں ''سوق عکاظ'' سے خرید کرلایا ہوں، آپ ان میں سے جس کو چاہیں پسند کرلیں۔ میں اسے آپ کی خدمت میں ہدیہ کرتا ہوں''۔

سیدہ خدیجہؓ نے زید کو چن لیا

سیدہ خدیجہ نے ایک ایک کرکے سب غلاموں کے چہروں کو غور سے دیکھا، ان کی نگاہیں زید کے چہرے پر ٹک گئیں، وہ اسے دیر تک دیکھتی رہیں اور اس پر ظاہر نے والی ذہانت وفطانت کی علامات کی وجہ سے اس کو پسند کرلیا اور لے کر گھر واپس آگئیں۔ کچھ دنوں بعد سیدہ خدیجہ محمد بن عبداللہ ﷺ کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک ہوگئیں، اس موقع پر وہ ان کی خدمت میں کوئی پیش قیمت تحفہ پیش کرنا چاہتی تھیں اور اس کے لئے انہیں اپنے عزیز غلام زید بن حارثہ سے زیادہ بہتر کوئی چیز نہیں ملی۔ چنانچہ اس کو آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔

زیدؓ کے والدین کے بہتے آنسو

ادھر یہ خوش نصیب بچہ محمد بن عبداللہ ﷺ کی سرپرستی میں رہ کر ان کی زریں صحبت اور بہترین سیرت وکردار سے بہرہ ور ہوتے ہوئے خوشی اور آزادی کے دن گذار رہا تھا اور ادھر اس کی ستم رسیدہ اور ماتا کی ماری ہوئی ماں اس کی گمشدگی کے صدمہ سے نڈھال ہورہی تھی، نہ اس کی آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسو تھم رہے تھے، نہ اس کی سوزش غم میں کوئی کمی واقع ہورہی تھی اور نہ ہی اسے کسی پہلو سکون وقرار نصیب ہورہا تھا، اسے یہ بھی نہیں معلوم تھا کہ ایا اس کا لخت جگر زندہ ہے کہ اسکی بازیابی کی امید رکھے یا وہ مرچکا ہی کہ اس سے مایوس ہوکر صبر کی سل اپنے سینہ پر رکھ لے اور یہ بات اس کے غم کی شدت میں مزید اضافہ کا سبب تھی، اس کا باپ ملک کے گوشے گوشے میں اسے ڈھونڈتا اور ہر قافلہ سے اس کا پتہ پوچھتا پھررہا تھا اور اس کے اضطراب وبےقراری کی کیفیت ان دردناک اشعار کے قالب میں ڈھل گئی تھی جو سننے والوں کے دلوں کے ٹکڑے کئے دے رہے تھے۔

بُکَیْتُ عَلٰی زَیْدٍ وَلَمْ اَدْرِ مَا فَعَلُ
اَحَیٌ فَیُرْجٰی اَمْ اَتٰی دُوْنَہُ الْاَجَلُ

”میں زید کے غم میں گریہ وزاری کررہا ہوں، مجھے نہیں معلوم کہ وہ کس حال میں ہے، آیا وہ زندہ ہے کہ اس سے ملنے کی امید ہو یا اس کی موت اس کی راہ میں حائل ہوگئی“۔

فَوَاللّٰہِ مَا اَدْرِیْ وَاِنِّیْ لَسَائِلُ
اَغَالَکَ بَعْدِیْ اَلسَّھَلُ اَمْ غَالَکَ الْجَبَلُ

”خدا کی قسم مجھے اس کے متعلق کچھ نہیں معلوم، اور میں حیران وسرگرداں پوچھتا پھر رہا ہوں کہ میرے پیچھے تجھے میدان نے چرالیا یا پہاڑ نے اچک لیا؟“۔

تُذْکَرُ فِیْہِ الشَّمْسَ عِنْدَ طُلُوْعِھَا
وَتَعُوِضُ ذِکْرَاہُ اِذَا غَرُبُھَا اَفَلُ

”سورج اپنے طلوع ہونے کے ساتھ مجھے اس کی یاد دلاتا ہے اور ڈوبتے ہوئے بھی اس کی یاد تازہ کرجاتا ہے“۔

سَأَعُمَلُ نَصَّ الْعِیْصَ فِیْ الْاَرْضِ جَاھِدًا
وَلَا اَسَأَمُ التَّطْوَافُ اَوْ تَسَأَمُ الْاِبَلُ

”میں اپنے اونٹ کو تیزی سے دوڑا کر زمین میں اس کی جستجو سے باز نہیں آؤں گا، الا یہ کہ میرا اونٹ تھک کر نڈھال ہوجائے“۔

حَیَاتِیْ اَوْ تَأْتِیْ عَلٰی مَنِیَّتِیْ
فَکُلُّ اَمْرَیٍ فَاِنَّ وَاِنْ غَرَّہُ الْاَمَلُ

”یا مجھے موت آجائے کیوں کہ ہر شخص فانی ہے چاہے امید اسے مبتلائے فریب رکھے“۔

زیدؓ کے قبیلہ والوں نے زید کو پہچان لیا

ایک بار حج کے موسم میں زید کے قبیلے کے کچھ لوگ زیارت بیت اللہ کے لئے مکہ آئے ہوئے تھے، طواف کے دوران اچانک زید سے ان کا سامنا ہوگیا۔ انہوں نے زید کو اور زید نے ان کو پہچان لیا اور آپس میں بات چیت بھی ہوئی، جب وہ لوگ مناسک حج سے فارغ ہو کر اپنے قبیلہ میں واپس پہنچے تو انہوں نے جو کچھ دیکھا اور سنا تھا اس کی مفصل روداد حارثہ کے سامنے رکھ دی۔

زید کا سراغ ملتے ہی اس نے جھٹ پٹ اپنی سواری کو تیار کیا، اپنے لخت جگر کا فدیہ ادا کرنے کے لئے وافر مقدار میں مال اونٹ پر لادا اور اپنے ہمراہ اپنے بھائی کعب کو بھی لے لیا، پھر تیز رفتاری کے ساتھ راستہ طے کرتے ہوئے دونوں مکہ کی طرف روانہ ہوگئے۔

زید کے والد اور چچا حضور ﷺ کے دربار میں

وہاں پہنچ کر سیدھے محمد بن عبداللہ ﷺ کے گھر پہنچے اور ان سے کہا ”اے ابن عبداللہ! آپ لوگ اللہ کے ہمسائے ہیں، قدیوں کو رہائی بخشتے، بھوکوں کو کھانا کھلاتے اور مظلوموں کی فریاد رسی کرتے ہیں، ہم آپ کی خدمت میں اپنے بیٹے کے سلسلے میں حاضر ہوئے ہیں، ہم آپ کے پاس اتنا مال لائے ہیں جو اس کے فدیہ کے لئے کافی ہوگا، آپ ہمارے اوپر احسان فرمائیں اور فدیہ لے کر اسے چھوڑ دیں۔

”کون ہے تمہارا وہ بیٹا؟‘ محمد ﷺ نے پوچھا

”آپ کا غلام زید بن حارثہ“ دونوں ایک ساتھ بولے۔

”کیا تم پسند کروگے کہ مے تمہارے سامنے ایک تجویز رکھوں جو فدیہ سے بہتر ہے؟“ محمد ﷺ نے ان سے دریافت کیا۔

''وہ کون سی تجویز ہے؟'' انہوں نے جاننا چاہا۔

''میں اسے تمہارے سامنے بلائے دیتا ہوں، تم اس کو یہ اختیار دے دو کہ وہ میرے اور تمہارے درمیان سے جس کو چاہے منتخب کر لے، اگر وہ تمہارے ساتھ جانے کو ترجیح دیتا ہے تو تم اسے کسی مال اور فدیہ کے بغیر اپنے ساتھ لے جا سکتے ہو، لیکن اگر وہ میرے پاس رہنے کو پسند کرتا ہے تو خدا کی قسم میں اس کی پسند کے خلاف کچھ نہیں کر سکتا''۔ محمد ﷺ نے تجویز کی وضاحت کرتے ہوئے کہا: ''یقیناً آپ نے یہ بڑے انصاف کی بات کہی ہے'' دونوں نے متفق ہوتے ہوئے کہا۔

حضور ﷺ نے زیدؓ کو اختیار دے دیا

اس کے بعد محمد ﷺ نے زید کو بلا کر پوچھا ''ان دونوں کو پہچانتے ہو؟'' ''ہاں! یہ میرے والد حارثہ ابن شراحیل اور یہ میرے چچا کعب ہیں''۔ زید نے دونوں کی طرف باری باری اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ''زید! میں تم کو اس بات کا اختیار دیتا ہوں کہ اگر چاہو تو اپنے والد اور چچا کے ساتھ چلے جاؤ اور اگر چاہو تو میرے پاس رہ جاؤ'' آپ ﷺ نے اس کو مخاطب کر کے کہا۔ ''میں آپ کے پاس رہوں گا'' زید نے کسی تاخیر و تذبذب کے بغیر کہا، یہ سن کر اس کے باپ نے کہا ''ارے تیرا ناس ہو، کیا تو غلامی کو اپنے والدین پر ترجیح دے رہا ہے''؟ ''میں ان کی طرف سے ایک چیز دیکھ چکا ہوں، میں وہ نہیں ہوں جو کبھی بھی ان سے جدا ہونا گوارا کر لے'' زید نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

زیدؓ کو حضور ﷺ نے اپنا بیٹا بنا لیا

محمد ﷺ نے جب اپنے ساتھ زید کے اس غیر معمولی تعلق خاطر کو دیکھا تو اسی وقت ان کا ہاتھ پکڑا اور بیت الحرام میں پہنچے، حجر اسود کے مقام پر قریش کے مجمع میں

کھڑے ہو کر اعلان کیا ''قریش کے لوگو! گواہ رہنا آج سے زید میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہے اور میں اس کا وارث ہوں۔

یہ دیکھ کر زید کے باپ اور چچا کا جی خوش ہو گیا اور وہ اسے محمد بن عبداللہ ﷺ کے پاس چھوڑ کر اپنے قبیلہ کی طرف واپس لوٹ گئے وہ دونوں اس کی طرف سے پورے طور پر مطمئن تھے۔

اور پھر اس روز سے زید بن حارثہ، زید بن محمد ﷺ کے نام سے پکارے جانے لگے اور وہ برابر اسی نام سے پکارے جاتے رہے۔ یہاں تک کہ محمد ﷺ منصب رسالت پر فائز کر دئے گئے، اور اسلام نے اللہ کے فرمان ''اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ'' کے نزول کے ساتھ منہ بولا بیٹا بنانے کی رسم کالعدم قرار دے دی اور وہ زید بن محمد ﷺ سے پھر زید بن حارثہ ہو گئے۔

زیدؓ کو خود اپنی خوش نصیبی کا علم نہ تھا

زید کو کیا معلوم تھا کہ جس وقت انہوں نے اپنے ماں باپ کے مقابلہ میں محمد ﷺ کو اپنایا تھا، کیسی غنیمت ان کے حصہ میں آئی تھی؟ وہ یہ بھی کہاں جانتے تھے کہ جس آقا کی غلامی کو انہوں نے اپنے خاندان اور قبیلہ پر ترجیح دی ہے وہ اولین و آخرین کے سردار اور ساری مخلوق کی طرف اللہ کے رسول ﷺ ہیں؟ ان کے دل میں تو یہ خیال بھی نہیں گزرا تھا کہ عنقریب روئے زمین پر آسمانی بادشاہت کے قیام کا اعلان ہونے والا ہے؟ جو مشرق سے لے کر مغرب تک ساری زمین کو نیکی اور عدل و انصاف سے بھر دے گی اور خود ان کی حیثیت اس عظیم الشان بادشاہت کی تعمیر میں ''خشت اول'' کی ہوگی؟ ان میں سے کوئی بات زید کے حاشیۂ خیال میں بھی نہیں

آئی تھی، وہ تو سراسر اللہ تعالیٰ کا فضل تھا اور وہ جس کو چاہتا ہے اپنے فضل سے نواز دیتا ہے، وہ تو فضل عظیم کا مالک ہے۔

اور وہ فضل عظیم یہ تھا کہ تخئیر کے اس واقعہ کے چند سال بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق دے کر مبعوث فرمایا اور زید مردوں میں سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لائے ،تو کیا اس سے بڑھ کر بھی اولیت اور فضیلت کا کوئی مقام ہوسکتا ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے مسابقت کی جائے؟

حضرت زید بن حاثہؓ رسول اکرم ﷺ کے رازوں کے امین ومحافظ تھے وہ ان لوگوں میں سے تھے جن کو آپ ﷺ سفارتی وفود اور فوجی دستوں کی قیادت پر متعین فرماتے اور اپنی عدم موجودگی میں مدینہ پر اپنا قائم مقام مقرر کرتے تھے۔

جس طرح زید نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ اپنی غیر معمولی محبت اور تعلق خاطر کا اظہار کیا اور اپنے ماں باپ پر آپ ﷺ کو ترجیح دی اسی طرح آپ ﷺ نے بھی ان سے اپنی محبت کا اظہار فرمایا اور ان کو اپنے اہل وعیال کے ساتھ شامل کرلیا، آپ ﷺ کی محبت کا یہ حال تھا کہ جب وہ کسی مہم پر گئے ہوئے ہوتے تو آپ ﷺ ہر وقت ان کے لئے مشتاق وبے قرار رہتے اور جب واپس آتے تو بہت خوش ہوتے اور ان سے ملتے وقت جس بے پناہ مسرت وشادمانی کا اظہار فرماتے وہ صرف انہیں کا حصہ تھا۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی غیروں کی اولاد کے ساتھ اسی طرح رحم اور شفقت ومحبت کا معاملہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین یارب العالمین!

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

☆☆☆

بحمد اللہ تعالیٰ

خطبات رحیمی کی جلد چہارم تمام ہوئی۔

وَصَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلٰى خَيْرِ خَلْقِهٖ مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ
بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ .

حضرت حبیب الامت کی دیگر کتب

۱	انوار السالکین	
۲	سفرنامہ جنوبی ہند تا جنوبی افریقہ	
۳	خوابوں کی تعبیر اور ان کی حقیقت	اول، دوم
۶	خطباتِ حبان برائے دخترانِ اسلام	دس جلدیں
۷	طالبات تقریر کیسے کریں	دس جلدیں
۸	خطباتِ رحیمی	دس جلدیں
۹	انوارِ طریقت	
۱۰	سوانح حضرت حاذق الامتؒ	
۱۱	انجمن دیندار مسلمان نہیں؟	
۱۲	پیارے نبی کی پیاری دعائیں	
۱۳	تصوف کی حقیقت	
۱۴	مفتاح الصلوٰۃ	
۱۵	خطباتِ رمضان المبارک	اول، دوم
۱۶	اسرارِ طریقت	(زیر طبع)
۱۷	تفسیری خطبات	
۱۸	مجالسِ رحیمی	

☆☆☆